ولولہ انگیز خوشبوئیں



تصنیف
شیخ سید محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

وعظ و خطابت کے لئے نیا آہنگ نیا انداز

ولولہ انگیز خوشبوئیں

اردو ترجمہ: من نسمات الخلود

طلباء اور طالبات کی دلچسپی کے روح پرور اور ایمان افروز واقعات
جو رگوں میں منجمد خون کو گرما دیں، مردہ دلوں کو حیاتِ نو بخش دیں،
اور خوابِ غفلت کے دبیز پردوں کو چاک کر دیں

تالیف: شیخ سید محمد صالح فرفور (دمشق)

ترجمہ: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ، لاہور

سلسلۃ الخلود (۲)

نام کتاب ———— من نسمات الخلود (عربی)

اردو ترجمہ: ———— ولولہ انگیز خوشبوئیں

تصنیف: ———— شیخ سید محمد صالح فرفور (دمشق، شام)

ترجمہ ———— علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

صفحات ———— 240

اشاعت ———— ذی الحجہ 1424ھ/2004ء

باہتمام ———— حافظ نثار احمد قادری

کمپوزنگ ———— الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ لاہور7225944

ناشر ———— مکتبہ قادریہ، لاہور

قیمت ———— =/100روپے

ملنے کے پتے

✿ **مکتبہ رضویہ**، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

✿ **مکتبہ قادریہ**، جامعہ اسلامیہ، ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی، ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

فہرست

رُباعی

حضرت ابوسعید مخزمی

مرشد سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

الٰہی دور گردانی بلا را
زہر آفت نگہداری تو مارا
بحق آں دو گیسوئے محمد
زبوں گرداں زبردستانِ مارا

ان حضرات کی فہرست جن کا مختصر تذکرہ حواشی میں کیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اهداء:

فقیر اپنی اس ناچیز کوشش کو

شیخ المشائخ زبدۃ السلف ذوالمجد والکرم

حضرت خواجہ **محمد صادق** نقشبندی مجددی مدظلہ العالی

آستانہ عالیہ گلہار شریف، کوٹلی، آزاد کشمیر

کی خدمت میں بطور ھدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس

کہ گوہر سپردم بہ گوہر شناس

شرف قادری

دعائے خیر اور شکریہ

حدیث شریف میں ہے: مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ "جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ (لامحدود احسانات) کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔

یہ فقیر بے نوا اپنے محسنوں، کرم فرماؤں اور معاونین کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، اس لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین کی نعمتوں، برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ اور جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کی قبروں پر رحمت و رضوان کی بارش برسائے۔

خصوصاً: اپنی اہلیہ محترمہ، دونوں بیٹیوں، تینوں بیٹوں اور بڑی بہو (حفظہم اللہ تعالیٰ) کے لئے رمضان شریف کے آخری عشرے کے آخری جمعہ کی آخری ساعتوں میں دعا کرتا ہوں کہ مولائے کریم ان سے راضی ہو جائے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی سے نوازے۔ راقم نے دین متین کی جو تھوڑی بہت تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی انداز میں خدمت کی ہے اس میں ان افراد کا بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

ع   جو کسی بھی کام نہ آسکا میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

شرف قادری

کلمات تقدیم

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (ستارۂ امتیاز)

سابق ڈین فیکلٹی آف اسلام لرننگ، پنجاب یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب مستطاب جو نذر قارئین ہو رہی ہے، شام کے ایک معتبر اور معروف عالم شیخ محمد صالح فرفور صاحب کی تصنیف ''من نسمات الخلود'' کا اردو ترجمہ ہے، جسے محبّ گرامی حضرت مولانا شرف قادری نے اردو کے قالب میں بڑی خوبصورتی اور شستگی کے ساتھ ڈھالا ہے۔

شیخ محمد صالح فرفور دمشق کے ایک علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جو ''فرفور'' کہلاتے ہیں، تصوف و طریقت کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے بھی اس خانوادے کا بہت گہرا، تاریخی اور مسلسل تعلق ہے، ہر دور میں اس خانوادے کے اہل علم و معرفت نے نہ صرف اہل شام و عالمِ عرب بلکہ پوری اسلامی دنیا کی علمی و روحانی خدمات انجام دی ہیں، تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی ''فرافرہ'' کی خدمات بہت وسیع اور بار آور رہی ہیں، شیخ محمد صالح فرفور ان بہت سے فرافرہ میں سے ہیں جن سے راقم کو شرفِ ملاقات حاصل ہے، کئی ایک یونیورسٹی اساتذہ اور ادباء کے محترم نام ایسے ملیں گے جو اسی جلیل القدر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ شام کے عوام و خواص کے علاوہ پوری عرب دنیا کے اصحاب علم و فضل اس خاندان کی علمی، ادبی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس خاندان کے جن حضرات سے میں ملا ہوں، وہ سب کے سب علم و عمل کی جامع تصویر اور سیرت و اخلاق کی بلندی پر نظر آئے۔

یہ کتاب واقعی عمدہ و مستطاب ہے، فاضل مصنف نے مسلم نژادِ نو کی رہنمائی اور

سبق آموزی کا بہت قیمتی سامان کیا ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہی قوموں کی بنیادی ضرورت ہے، مگر ان کے کارناموں کو یاد رکھنا اور عملی زندگی میں ان سے استفادہ کرنا احسان شناسی بھی ہے اور انسانیت دوستی بھی، تاریخ اور اسلاف کے کارنامے قوموں کی اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر اپنی تاریخ کو دُہرانا اور اپنے عمل سے اسلاف کے کارناموں کو زندہ کرنا قوموں کی زندگی ہے اور روشن مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔

شیخ محمد صالح فرفور نے اسلامی تاریخ کی زندۂ جاوید ہستیوں کی زندگی، کارناموں اور اخلاق کو اس کتاب ''نسمات الخلود'' میں ایسے عمدہ اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بچے، نوجوان اور باقی سب لوگ بھی اسے پڑھتے ہوئے خوشی ومسرت محسوس کرتے ہیں، حوصلے بلند ہوتے ہیں اور جذبۂ دل بیدار ہوتا ہے، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے کتاب کو نہایت اعلیٰ اسلوب میں بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عام فہم مگر عالمانہ اور شستہ اردو میں اس طرح پیش کیا ہے کہ عربی متن کے قاری کی طرح اردو ترجمہ کا قاری بھی خوشی اور دلچسپی سے بہرہ ور ہوتا ہے اور عملی زندگی کے لئے اسلاف کے ان اعلیٰ نمونوں سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور راہِ عمل کے لیے عمدہ سامان بھی نصیب ہوتا ہے۔

قادری صاحب کے اس ترجمہ پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شیخ فرفور بہت خوش نصیب ہیں کہ انہیں مولانا شرف قادری صاحب جیسا فاضل مترجم میسر آیا۔ جس نے ان کی متعدد تصانیف[1] کو عربی سے اردو میں منتقل کر کے قارئین کے دائرے میں بڑی وسعت پیدا کردی ہے، کیونکہ عربی زبان کی طرح اردو زبان کے قارئین کا دائرہ بھی وسیع بلکہ لامحدود ہے اور دنیا کے کونے کونے میں یہ تصنیف پہنچ گئی ہے۔ اس سے دنیا کے ہر اچھے ملک کے ہر بڑے شہر میں عربی پڑھنے اور سمجھنے والے مل جاتے ہیں، اسی طرح اردو بھی اب ایک عالمی

---

[1]۔ (۱) من نفحات الخلود (۲) من رشحات الخلود اور (۳) من نسمات الخلود

زبان بن چکی ہے اور اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی تقریباً ہر جگہ مل جاتے ہیں۔

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری ہمارے ان علماء میں سے ہیں جو اردو اور عربی میں یکساں طور پر قلم برداشتہ لکھنے پر قادر ہیں، متعدد تصانیف دونوں زبانوں میں قارئین سے کلمۂ استحسان اور خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ قادری صاحب ایک جلیل القدر عالم دین بھی ہیں مگر وسیع القلب انسان بھی ہیں۔ علم کے ساتھ حلم اور شفقت کے ساتھ تواضع اگر کسی ایک شخصیت میں مجسم دیکھا ہو تو شرف قادری کو دیکھئے، مجھے ان کی شخصیت سے تو بیشمار فوائد پہنچے ہیں، مگر ان کے علم سے بھی محروم نہیں رہا، میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت عطا فرمائے اور ان کے علم و فضل کے فیض کو عام فرمائے۔

این دعا از من واز جملہ عالم آمین باد!

3.2.2003 **ظہور احمد اظہرؔ**

لاہور

معروف دانشور، صاحب طرز ادیب صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

حرفے چند

آج کا انسان اپنی تیز رفتار ترقی پر انتہائی خوش اور نازاں ہے —— کمپیوٹر اور سیٹلائٹ کے اس دور نے فی الواقع انسان کو بہت کچھ دیا ہے —— کل کے خواب آج واقعات بن چکے ہیں اور ماضی کی کہانیاں حال کی حقیقت میں ڈھل چکی ہیں —— برسوں قبل اُڑن کھٹولے کی باتیں محض بچوں کے بہلانے کے لئے ہوتی تھیں —— آج آواز سے تیز رفتار طیارے ہواؤں کا سینہ چیر رہے ہیں —— کل تک سمندر کی موجیں انسان کے لئے اژدہا بنی ہوئی تھیں —— آج وہی سمندر اور اس کی طوفانی لہریں انسان کی مُٹھی میں بند نظر آتی ہیں —— اور ایک فرمانبردار غلام کی طرح انسان کو اپنے دوش پر بٹھائے ہلکورے دے رہی ہیں۔

روشنیوں کا سیلاب، نوبہ نو ایجادات، جدید ترین ذرائع مواصلات، ان سب نے مل کر دنیا کے جنگل میں منگل کر دیا ہے —— پوری دنیا سمٹ کر ''گلوبل ویلج'' کا رُوپ دھار چکی ہے —— طلوعِ صبح کے ساتھ انسان سفر پر روانہ ہو کر غروبِ آفتاب سے پہلے دنیا کے کسی بھی دُور دراز علاقے میں پہنچ سکتا ہے —— اور اگلی صبح کا ناشتہ دوبارہ اپنے گھر کی ٹیبل پر کر سکتا ہے —— یہ ہوشربا ترقی فی الواقع حیران کن ہے —— لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی المیہ ہے کہ زمینی فاصلے روز بروز سمٹ رہے ہیں —— مگر روحانی اور ذہنی فاصلے دن بدن بڑھ رہے ہیں —— باہر کی دنیا کہکشاں بنی ہوئی ہے مگر انسان کا باطن گھپ اندھیر قبرستان بن چکا ہے —— کارکنانِ قضا و قدر انسان کے خادم بن چکے ہیں —— لیکن انسان حالات کے جبر کے سامنے نادم دکھائی دیتا ہے —— انسان نے سمندر کی موجوں کو تو مسخر کر لیا —— لیکن نفس کی لہریں وہ اب تک قابو میں نہیں لا سکا

—— آندھیاں اور طوفان اس نے کنٹرول کر لئے ہیں مگر اندر کا انسان اُس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔

تہذیب حاضر نے علم کے انبار لگا دیئے ہیں —— مگر انسان کو اپنی پہچان سے محروم کر دیا —— ذخیرۂ معلومات کی کوئی حد نہیں، مگر ذریعۂ معلومات بہت حد تک مشتبہ اور ناقص ہے —— چنین و چناں کی پوری کتاب مرتب ہو گئی ہے، مگر یقین و ایمان کا ورق ابھی تک سادہ ہے —— اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ تن فربہ اور من لاغر ہوتا جا رہا ہے —— خدا نہ کرے کہ آج کا انسان اپنے ہی ملبے میں دب کر دم توڑ دے —— جس کے آثار و شواہد بہر حال موجود ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں جنگ و جدال برپا نہ ہو —— انسان کے ہاتھوں انسان پامال نہ ہو —— روز بروز یقین کی رکاب پاؤں سے کھسکتی اور ایمان کی باگ ہاتھوں سے نکلتی جا رہی ہے —— کسی زمانے میں انسان راکب اور دُنیا مرکب تھی —— آج انسان کی پیٹھ ہوسِ دنیا کے لئے کاٹھی کا کام دے رہی ہے —— حرص و ہوا کا بوجھ ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے —— آج کا انسان باطنی طور پر اتنا کوتاہ نظر کیوں ہو گیا ہے؟ کہ اُسے سانپ کی رنگدار اور ملائم جلد تو دکھائی دیتی ہے لیکن اُس کے زہر پر نگاہ نہیں جاتی —— میک اپ پر تو وہ فریفتہ ہے مگر اس کے اندر چھپی ہوئی چڑیل پر نظر نہیں ڈالتا —— اسبابِ دُنیا کی اسے خوب خبر ہے لیکن مسببّ الاسباب سے قطعاً غافل ہے —— کائنات کی رنگا رنگی تو اسے مسحور کر رہی ہے لیکن خالقِ کائنات کی عظمت و بزرگی کا اُسے احساس اور اعتراف نہیں —— انسان یہ بھول رہا ہے کہ اُس نے یہ معرکہ پہلی بار سر کیا ہے —— قبل ازیں بھی گرانڈیل تہذیبیں ہو گزریں اور دم توڑ چکی ہیں —— نمرود و فرعون لجنڈ کا درجہ رکھتے ہیں —— قلعوں کی فصیلیں اور امراء کی حویلیاں آج بھی عہدِ رفتہ کو آواز دے رہی ہیں، لیکن وہ سارا طمطراق آج مٹی کا ڈھیر بنا ہوا ہے —— آج کا ''کھڑاک'' بھی پیوندِ زمین ہو کر رہے گا۔

ایسے عالم میں ضروری ہے کہ انسان اپنا اندر ٹٹولے ــــــ سارا کام بصارت سے نہیں کچھ کام بصیرت سے لے ــــــ تجرباتِ سائنسی کے ساتھ ساتھ وارداتِ روحانی پر توجہ دے، ایجادات کے وفور میں دل کے نُور سے محروم نہ رہے ــــــ مقالاتِ حکیم کے دوش بدوش مشاہداتِ کلیم پر بھی نگاہ رکھے ــــــ صدائے جرسِ کارواں پر قانع نہ ہو ــــــ محملِ لیلیٰ کو گرفت میں لانے کا جتن کرے کہ یہی جوہرِ آدمیّت اور حاصلِ عبدیّت ہے۔

دمشق کے شیخِ طریقت حضرت سید محمد صالح فرفور علیہ الرحمہ کی کتاب ''مـن نـفـحـات الـخـلـود'' کا ترجمہ ''زندۂ جاوید خوشبوئیں'' اس وقت میرے سامنے ہے ــــــ ترجمے کا خوشگوار فریضہ ہمارے ممدوح جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری نے سرانجام دیا ہے ــــــ اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو انسانی باطن کے لئے اور موجودہ تہذیبی ڈھانچے کے لئے آج بہت ضروری ہے۔

ہم نے قصہ دارا و سکندر بہت یاد کرلیا۔ اب تو کسی مردِ قلندر کا تذکرہ ازبر کرنا چاہیے ــــــ ورنہ سوسائٹی زیروزبر ہوتی نظر آرہی ہے۔

شیخ فرفور علیہ الرحمہ نے خشک تحقیقی زبان کی بجائے خوشبو بکھیرتے ہوئے بیان کا سہارا لے کر کچھ واقعات، کچھ باتیں، کچھ حکایات اور کچھ وارداتیں قلمبند کی ہیں ــــــ اگر ان کا مقصد دل کے تار ہلانا، بربطِ رُوح کو چھیڑنا، آنکھوں کے کنارے بھگونا، سینے میں ایک ہلچل مچانا، خوابیدہ ضمیر کو جگانا، غافل مزاج کو جھنجھوڑنا، کانوں میں نُقرئی گھنٹیاں بجانا، اور عقل کو عشق کے تابع لانا تھا تو وہ بلاشبہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں ــــــ کتاب میں اللہ والوں کی جرأت، اُن کے شوقِ شہادت، جذبۂ رفق ورحمت، اندازِ سخاوت، ذوقِ تلاوت، قناعت وعفت، عادلانہ سیاست، رنگِ عبادت، ملّی غیرت، تقاضۂ ایمان واطاعت، اور اسلوبِ نصیحت کے خوبصورت تذکرے ہیں ــــــ آج کا انسان جو شوکت وسطوت، جاہ و حشمت، ہیبت و دہشت، قیادت وجلالت، مال و دولت اور منصب وحکومت پر مرا اور مٹا جارہا ہے۔

اُسے چاہیے کہ یہ تذکرے پڑھے، یہ خوشبوئیں سُونگھے، یہ باتیں سُنے، اور ایسی کتابیں دیکھے، تاکہ اُسے علم کے ساتھ معرفت نصیب ہو ——— ان خوشبوؤں سے مشامِ جاں کو معطر کرے، یہ باتیں سُن کر رنج کی باتیں بھلا دے ——— اور یہ کتابیں دیکھ کر صاحبِ کتاب (ﷺ) سے نسبت جوڑنے کی فکر کرے۔

شیخ فرفور رحمۃ اللہ علیہ نے تو جو رنگ باندھا سو باندھا، محترم شرف قادری نے ترجمہ کر کے اسے نیا آہنگ عطا کر دیا ہے ——— اللہ تعالیٰ نے ہمارے ممدوح مولانا محمد عبدالحکیم شرف کو پڑھنے اور لکھنے کا اعلیٰ ذوق اور سلیقہ عطا فرمایا ہے ——— مدرس آدمی بسا اوقات خشک ہوتا ہے۔ ہر وقت قال اقول کی گردان، ہر لحہ ضرب یضرب کی مشق، ہر آن فقہی بحث، ہر ساعت منطقی صغرے کبرے اور ہر دقیقہ کلامی نکتے اچھے بھلے انسان کو "عبوساً قمطریراً" بنا دیتے ہیں ——— مگر ہمارے شرف صاحب چوبیں گھنٹے درس و تدریس میں منہمک رہ کر بھی تر و تازہ زبان لکھنے کی خوبی سے آراستہ ہیں ——— جس طرح مرغابی دن رات پانی میں غوطے کھاتی ہے۔ مگر جب نکلتی ہے تو اس کے پروں پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جناب شرف قادری اپنی ساری خشکی مسندِ تدریس پر چھوڑ آتے ہیں ——— جب لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیتے ہیں، تو ان کا قلم آبشار کی طرح بہہ نکلتا ہے، جس کی آواز کانوں میں رس گھولتی ہے۔

میری قارئین سے درخواست ہے کہ وہ یہ کتاب پڑھیں از اوّل تا آخر ——— اُنہیں قطعاً احساس نہیں ہوگا کہ وہ کسی کتاب کا سپاٹ اور تکنیکی ترجمہ پڑھ رہے ہیں ——— بلکہ صاف محسوس ہوگا کہ وہ طبع زاد تصنیف کا مطالعہ کر رہے ہیں ——— اور کسی بھی مترجم کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے، کہ وہ ترجمے میں آورد نہیں بلکہ آمد کا رنگ بھر دے ——— حضرتِ شرف قادری بحمد اللہ اس کوچے سے سُرخرو ہو کر نکلے ہیں۔

("زندۂ جاوید خوشبوئیں" پر فکر انگیز تبصرہ)

تعارف مصنف

سید محمد صالح فرفور حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳۱۸ــــــــــــــ۱۴۰۷ھ	
۱۹۰۱ــــــــــــــ۱۹۸۶ء	

دنیائے اسلام کے عظیم عالم اور مصلح، نادر زمانہ مفکر اور دانشور، ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے سراپادرد، علامہ سید محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ ''سلسلۃ الخلود'' کے مصنف ہیں ـــــ اس سلسلے کی تین کتابیں ان سے یادگار ہیں، جن کا ترجمہ کرنے کا راقم کو شرف حاصل ہوا ہے ـــــ فالحمد للہ تعالیٰ علی ذلک

۱ **من نفحات الخلود** اردو ترجمہ زندہ جاوید خوشبوئیں

۲ **من نسمات الخلود** " ولولہ انگیز خوشبوئیں

۳ **من رشحات الخلود** " سدابہار خوشبوئیں

یہ وہ روایتی خوشبوئیں نہیں جو الکحل اور مٹی کا تیل ملا کر عطر کے نام سے بیچی جاتی ہیں، یہ وہ دل افروز، ولولہ انگیز اور روح پرور خوشبوئیں ہیں جنہیں مشامِ جان و ایمان سے سونگھا جا سکتا ہے ـــــ جنہیں بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر بھی بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔

جُمادیٰ چند دادم جاں خریدم

بحمد اللہ ! عجب ارزاں خریدم

میں نے چند سکے دے کر جان خریدی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بہت سستی خریدی ہے۔

ان کی قدر و منزلت پوچھنا ہو تو رضویات کے بین الاقوامی سپیشلسٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی سے پوچھیے، وہ فرماتے ہیں:

''زندہ جاوید خوشبوئیں'' شیخ محمد صالح فرفور حسنی کے حسین انشائیوں کا حسین

مجموعہ ہے ـــــ جس کا مقصد وحید زندہ و پائندہ شخصیتوں کے ذکر واذکار سے مردہ دلوں کو زندہ کرنا ہے ـــــ فاضل مصنف کے زبان و بیان، درد و سوز اور مثالی شخصیات کے انتخاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مثالی شخصیت کے مالک ہیں ـــــ جب الفاظ و حروف کے پیچھے زندہ شخصیت ہو تو وہ بولنے لگتے ہیں ـــــ زندہ شخصیتیں ہی بناتی اور سنوارتی ہیں ـــــ شیخ محمد صالح کی نگارشات سوز و گداز سے معمور ہیں۔ (سدابہار خوشبوئیں: ص ۳۱)

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی اپنے تاثر کا اظہار یوں کرتے ہیں:

کتاب میں اللہ والوں کی جرأت، ان کے شوقِ شہادت، جذبۂ رفق و رحمت، اندازِ سخاوت، ذوق تلاوت، قناعت و عفت، عادلانہ سیاست، رنگ عبادت، ملّی غیرت، تقاضۂ ایمان واطاعت اور اسلوبِ نصیحت کے خوبصورت تذکرے ہیں ـــــ آج کا انسان جو شوکت و سطوت، حشمت و ہیبت، قیادت و جلالت، مال و دولت اور منصب و حکومت پر مرا اور مٹا جا رہا ہے اسے چاہیے کہ یہ تذکرے پڑھے، یہ خوشبوئیں سونگھے، یہ باتیں سنے اور ایسی کتابیں دیکھے تاکہ اسے علم کے ساتھ معرفت نصیب ہو ـــــ ان خوشبوؤں سے مشامِ جاں کو معطر کرے ـــــ یہ باتیں سن کر رنج کی باتیں بھلا دے ـــــ اور یہ کتابیں دیکھ کر صاحب کتاب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے نسبت جوڑنے کی فکر کرے۔ (سدابہار خوشبوئیں: ص ۲۹)

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا تبصرہ بڑا بصیرت افروز ہے، وہ رقم طراز ہیں:

یہ کتاب واقعی عمدہ و مستطاب ہے، فاضلِ مصنف نے مسلم نژادِ نو کی رہنمائی اور سبق آموزی کا بہت قیمتی سامان کیا ہے ـــــ اپنے اسلاف کے کارناموں

سے آگاہی قوموں کی بنیادی ضرورت ہے ـــــ مگران کے کارناموں کو یاد رکھنااور عملی زندگی میں ان سے استفادہ کرنا، احسان شناسی بھی ہے اورانسانیت دوستی بھی ـــــ تاریخ اوراسلاف کے کارنامے قوموں کی اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ مگراپنی تاریخ کو دہرانا اوراپنے عمل سے اسلاف کے کارناموں کوزندہ کرناقوموں کی زندگی بھی ہےاورروشن مستقبل کی ضمانت بھی۔

(سدابہارخوشبوئیں:ص۲۴)

جناب سیدریاض حسین شاہ مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان، ''سلسلۂ خلود'' کی کتابوں کونوجوانوں کے لئے لازمی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

محمدصالح فرفورکی فکرایک مصلح کی فکر ہے، وہ جانتے ہیں کہ تحریکوں کی جان نوجوان ہی ہوتے ہیں ـــــ اس لئے اس کی مخلصانہ کوششوں، اس کی بے تاب تحریروں اوراس کے حرارت مآب انشائیوں کامرکزنوجوان ہی رہتے ہیں ـــــ وہ انہیں اپنی آہِ سحر سے بیدار کرنا چاہتا ہےاوراس کی خواہش ہوتی ہے کہ ان میں عقابی روح کارفرماہوجائے ـــــ بلاشبہہ ''سلسلۃ الخلود'' کی ہرکتاب کاایک ایک لفظ ان جذبوں اورآہنگ میں ڈوباہوامعلوم ہوتا ہے۔

عظیم مصنف کی ان عظیم کتابوں کی زبان عربی اور لہجہ آفاقی ہے ـــــ ضرورت تھی کہ فرفورکاپیغام اردو پڑھنے والے حلقہ میں بھی عام ہوتا ـــــ لاہور کے ایک مردخدامست کی اچٹتی ہوئی نظران پرجاپڑی ـــــ اوروہ اس خزانہ کولے کر گوشۂ تنہائی میں جابیٹھا ـــــ اور''سلسلۃ الخلود'' کی زندہ خوشبو عربوں سے نکل کراردووالوں میں بھی پھیلنے لگی۔

محمدعبدالحکیم شرف قادری محض عربی دان ہی نہیں، واقعیت شناس بھی ہیں ـــــ صرف ترجمان ہی نہیں، حقیقت آگاہ بھی ہیں ـــــ ان کاکوئی کام بھی

درد کی گہرائی سے خالی نہیں ہوتا ـــــ درسیات کی جاں کاہ مشق سے تھکا ماندہ عالم دین ـــــ حیرت ہوتی ہے کہ زندہ ذوق کی لذتوں سے بہرہ مند رہتا ہے ـــــ قاضی مبارک، سلم، صدرا اور شمس بازغہ کی روح کش تقریروں کے جلاپے اور تڑاقے بھی اس کی آنکھوں سے محبت کے آنسو خشک نہیں کر سکتے ـــــ وہ روتا بھی ہے اور رُلاتا بھی ہے ـــــ تڑپتا بھی ہے اور تڑپاتا بھی ہے ـــــ لکھنا اس کا دھندہ نہیں، درد ہے ـــــ وہ اپنے درد کے اظہار کے لیے اس کا قائل نہیں رہتا کہ اپنا ہی گیت سناتا جائے ـــــ جب کوئی میٹھا نغمہ کہیں سے بھی سنائی دیتا ہے ـــــ تو وہ اس کی سروں اور لہروں کو عام کرنے کا مشتاق بن جاتا ہے۔(بتصرف یسیر) (زندہ جاوید خوشبوئیں، ص:۱۱-۱۹)

جواں سال فاضل ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری شیخ کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت شیخ محمد صالح فرفور کی تصانیف کے پڑھنے سے ولولۂ تازہ ملتا ہے ـــــ جذبوں کو جوش و خروش میسر آتا ہے ـــــ کیف و سرور میں ڈوبا ہوا قاری خود کو معلم انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلسِ درس میں زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے پاتا ہے اور اس کتاب سے ہمیں مثالی شخصیات کا پتا بھی ملتا ہے۔
(زندہ جاوید خوشبوئیں :ص ۳۴)

یاد رہے کہ شیخ محمد صالح فرفور دنیا کے عظیم مصلح اور دینِ اسلام کو حیاتِ نو عطا فرمانے والے شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد امجاد میں سے ہیں ـــــ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۱ء میں دمشق کے محلہ عمارہ جوانیہ میں پیدا ہوئے، قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھنے اور حفظ کرنے کے بعد امتیازی حیثیت کے ساتھ بی۔اے پاس کیا، ان کا ذاتی رجحان طبیہ کالج میں داخلہ لینے کی طرف تھا، لیکن والد ماجد سید عبد اللہ فرفور کی پرزور تاکید یہ تھی کہ آباء واجداد

کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی تمام توانائی علم دین کے حاصل کرنے پر صرف کروتا کہ تم انبیاء کرام کے وارث بن سکو، سعادت مند بیٹے نے سر تسلیم خم کر دیا اور زبانِ حال سے کہا:

ترکِ کام خود گرفتم تا بر آید کامِ دوست

آپ کی فرمایش پوری کرنے کے لئے میں اپنی چاہت قربان کرتا ہوں!

ابھی سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہوگی کہ ان کے والد ماجد رحلت فرما گئے، والدہ، چھ بہنوں اور ایک بھائی کی معاشی کفالت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ گئی، چنانچہ گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بازار ''القباقبیہ'' میں جامع اموی کے پاس ایک دکان کھول لی، جہاں کرسیاں اور چھوٹی الماریاں تیار کی جاتی تھیں اس کے علاوہ زمینوں اور مکانوں کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ یہ تمام مصروفیات ان کے علمی شوق کا راستہ نہیں روک سکیں، کتابیں خریدتے اور فرصت کے اوقات میں ان کا مطالعہ کرتے، اس کے علاوہ جلیل القدر علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے رہتے۔

ایک دفعہ شیخ محمد ساعاتی سے درخواست کی کہ مجھے علم میقات کا ایک رسالہ پڑھا دیں، انہوں نے حامی بھر لی تو مسلسل چوبیں گھنٹے پڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ رسالہ مکمل پڑھ لیا، شیخ ساعاتی بھی ان کے علمی ذوق و شوق کو دیکھ کر مسرور ہوئے اور فرمانے لگے:

اِنّه لِصُّ علمٍ یرید ان یّاُخُذَ الْعلم کُلّهٗ فی لیلةٍ

یہ علم کا چور ہے جو چاہتا ہے کہ ایک ہی رات میں سارا علم حاصل کر لے۔

اسی طرح شیخ صالح حمصی سے علم اصول اور علم فرائض حاصل کیا اور فقہ حنفی میں علامہ ابن عابدین شامی کا حاشیۂ **رِدّالمحتار** پڑھا اور لطف کی بات یہ تھی کہ (ون ٹو ون) اکیلے ہی پڑھنے والے تھے، جب حاشیہ ختم ہوگیا تو استاذ نے فرمایا: ''یَکْفِیْ صَالِحًا صالحٌ''۔ ایک صالح کے لئے ایک صالح ہی کافی ہے، استاد کا نام بھی صالح اور شاگرد بھی صالح۔(۱)

---

۱ محمد مطیع الحافظ/نزار اباظہ: تاریخ علماء دمشق (فی القرن الرابع عشر **الھجری**) ۳/۵۰۹۔۵۰۷

سبحان اللہ! استادوں اور شاگردوں میں کیا علمی ذوق تھا؟ آج کا المیہ یہ ہے کہ اساتذہ میں عموماً فیض رسانی کا جذبہ نہیں ہے اور اگر استاذ اس جذبے سے سرشار ہے تو علم کی تشنگی رکھنے والے طلباء میسر نہیں ہیں۔

شیخ محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ نے باکمال اساتذہ سے استفادہ کیا اور صرف دمشق اور شام ہی نہیں دنیائے اسلام کے نامور علماء، صلحاء، مفکرین اور دانشوروں میں شمار ہوئے۔ اساتذۂ کرام کے اسماء درج ذیل ہیں:

1. علامہ شیخ سید محمد بدرالدین حسنی
2. شیخ عبدالباقی الھندی الایوبی الانصاری
3. شیخ سید علامہ محمد بن جعفر الکتانی المغربی
4. شیخ صالح حمصی
5. شیخ علی المالکی المغربی
6. شیخ عبدالقادر شلبی طرابلسی
7. شیخ عمر حمدان محرسی
8. شیخ علی اعظم
9. شیخ محمد سلیم حلوانی ——— وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔(۱)

حضرت شیخ تک راقم کی سند:

راقم الحروف کو کویت کے نامور عالم مجاہد فی سبیل اللہ شیخ سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ العالی سے حدیث شریف کی اجازت ہے، انہیں ڈاکٹر سید عبداللطیف سے انہیں ان کے استاذ اور والد سید محمد صالح فرفور سے، انہیں متعدد حضرات سے اجازت ہے، جن کا ابھی ذکر ہوا ان میں سے ایک عالم شیخ عمر حمدان محرسی ہیں اور انہیں امام احمد رضا بریلوی سے اجازت ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

شیخ محمد صالح فرفور نے دمشق کے عظیم محدث سید بدرالدین حسنی سے تفسیر، حدیث، فقہ، توحید، فلسفہ، ریاضیات، اصول، فرائض وغیرہ علوم حاصل کئے۔

ان کی اور شیخ صالح حمصی کی وفات کے بعد دس سال تک اپنے گھر میں گوشہ نشین

۱؎ عبداللطیف فرفور، ڈاکٹر: ابن عابدین واثرہ فی الفقہ الاسلامی (دار البشائر، سوریہ) ۲/۱۱۶۱

رہے، صرف جمعہ اور جماعت کے لئے باہر آتے تھے، مقصد یہ تھا کہ بڑی اور طویل کتابوں کا بھرپور مطالعہ کریں، بیوی اور بچے بھی ان کے مطالعہ میں مخل نہیں ہوتے تھے، اور بکثرت روزے رکھتے اور کھانا کھاتے تو بہت تھوڑا اور بقدر ضرورت کھاتے۔ طویل عرصہ تک بیروت کے کلیہ شرعیہ میں بحیثیت مدرس اور ناظم تعلیم کام کرتے رہے پھر دمشق آ گئے۔ قیمریہ کی جامع فتحی میں درس دیتے، جامع اموی میں مغرب اور عشاء کے درمیان درس دیتے اور عشاء کے بعد مختلف حلقوں میں درس دیتے۔

شیخ فرفور نے ایک تنظیم ''جمعیۃ الفتح الاسلامی'' کے نام سے قائم کی، اس تنظیم نے طلباء کے لئے ایک مدرسہ ''معھد جمعیۃ الفتح الاسلامی'' قائم کیا، جس میں تاریخ علماء دمشق (طبع ۱۹۹۱ء) کے مرتبین کے بقول تیس ممالک کے پانچ سو سے زیادہ طالب علم پڑھتے تھے، آج یہ ادارہ شیخ کے صاحبزادے ڈاکٹر حسام الدین کی سرپرستی میں ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے، اسی طرح اس تنظیم نے طالبات کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کیا جس میں شیخ کی دو صاحبزادیوں کے علاوہ دیگر استانیاں بھی پڑھاتی تھیں۔

دارالعلوم سے علماء اور فضلاء فارغ ہوتے تو ایک جلسے کا اہتمام کرتے جس میں دارالعلوم کے منتظمین، مدرسین اور علماء اور نامور شخصیتوں کو دعوت دیتے، اس جلسے میں یہ عہد لیا جاتا ہے:

1. جس طرح تم نے علم حاصل کیا ہے اسی طرح اسے آگے پھیلانے کی کوشش کرنا۔
2. اس علم پر پورے خلوص کے ساتھ عمل کرنا۔
3. لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت و دانائی اور اچھے وعظ کے ساتھ بلانا۔
4. مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کو اپنی انفرادی مصلحتوں پر مقدم رکھنا۔
5. اپنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے راستے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے میں صرف کر دینا۔

جمعیت نے طلباء و طالبات کے لئے مدارس قائم کرنے کے علاوہ مساجد، گھروں، بازاروں، جیلوں اور بسوں کے اڈوں وغیرہ میں عمومی درسوں کا اہتمام کیا، یہ جمعیت دوسرے اسلامی ممالک میں خطباء اور مدرسین بھیجنے کا اہتمام بھی کرتی تھی خصوصاً حبشہ، صومالیہ اور ترکوں کے علاقوں میں۔

اس جمعیت نے قدیم مساجد کی مرمت کا اہتمام بھی کیا، دمشق اور اس کی مختلف بستیوں میں مسجدیں تعمیر کیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ محمد صالح فرفور کس قدر وسیع انقلابی سوچ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے سات صاحبزادے عطا فرمائے اور وہ سب اصحاب فضل و کمال ہیں، ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد عبد اللطیف (۲) شیخ حسام الدین (۳) شیخ ولی الدین

(۴) استاد عبد الرحمٰن (۵) استاد نصر الدین (۶) استاد عبد اللہ

(۷) استاد شہاب الدین

حضرت کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر محمد عبد اللطیف صالح فرفور نے خاتمۃ المحققین علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (صاحب رد المحتار) پر جامعہ ازہر کے ''کلیۃ الشریعہ والقانون'' سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا جس پر انہیں جامعہ ازہر کی طرف سے ۲۱ رشعبان ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء کو ڈاکٹریٹ کی سند مع مرتبۃ الشرف الاولیٰ'' دی گئی۔ مقالے کا عنوان ہے:

''ابن عابدین واثرہ فی الفقہ الاسلامی''

یہ مقالہ ۱۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دو جلدوں میں ''دار البشائر دمشق'' سے ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء میں چھپ چکا ہے۔

شیخ کے تلامذہ بے شمار ہوئے ہیں، ان میں بہت سے مدرسین بھی تھے ۔ تم ونمل

میں نمایاں شخصیات بھی تھیں۔ چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ کے سات صاحبزادے (جن کے اسماء ابھی گزرے ہیں)

۸۔ شیخ عبدالرزاق حلبی ۹۔ شیخ ادیب الکلاس ۱۰۔ شیخ ابراھیم یعقوبی

۱۱۔ شیخ رمزی البزم ۱۲۔ شیخ موفق نشوقانی ۱۳۔ شیخ احمد رمضان

۱۴۔ شیخ نورالدین خزنہ کاتبی ۱۵۔ شیخ شعیب ارناؤط ۱۶۔ شیخ عبدالقادر ارناؤط

۱۷۔ شیخ سُہیل زبیبی ۱۸۔ شیخ عبدالفتاح البزم ۱۹۔ شیخ احمد قبابی

یہ ابتدائی دور کے شاگرد ہیں۔ ان کے بعد بے شمار علماء نے شیخ سے استفادہ کیا۔

شیخ اپنے شاگردوں کے ساتھ شفیق باپ کا معاملہ کرتے تھے، نہ تو راہنمائی اور خیر خواہی میں بخل کرتے اور نہ ہی مال اور دنیا میں، انہیں بے پناہ محبت سے نوازتے، کوئی بیمار ہوجاتا تو اس کی تیمارداری کرتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی امداد کرتے، سیر و سفر اور اقامت میں انہیں اپنے ساتھ رکھتے۔

ایک دن حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطاب فرما رہے تھے تو انہیں اطلاع دی گئی کہ آپ کا فلاں صاجزادہ فوت ہوگیا ہے، آپ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اور فرمایا کہ انہیں غسل دے کر کفن پہنایا جائے اور خطاب اسی طرح جاری رکھا، جب بیٹے کا جنازہ لایا گیا تو کرسی سے اتر کر نماز جنازہ پڑھا دی۔

شیخ فرفور حضور غوث پاک کی اولاد میں سے ہیں انہوں نے بھی ایسی ہی بے مثال استقامت کا مظاہرہ کیا، آپ کا پہلا بیٹا محمد بخت بیمار ہوگیا، اس کی شدید بیماری آپ کی تدریس کے راستے میں حائل نہ ہوسکی، اتفاق کی بات کہ درس کا موضوع ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت'' تھا آپ نے شاگرد کو فرمایا: ورق پلٹو اور پڑھو: اس نے پڑھا: ''وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''، آپ نے اسے دوبارہ ورق پلٹ کر پڑھنے کو کہا تو اس نے پڑھا: وفَاۃُ وَلَدِ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اِبْرَاهِیْم ''

شیخ نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن ‘‘اور شاگرد کو فرمایا پڑھو، جب سبق سے فارغ ہو کر گھر گئے تو دیکھا کہ ان کا صاحبزادہ فوت ہو چکا ہے۔

درس وتدریس کے غیر معمولی شوق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے، یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا اور بولنے کے قابل ہوئے تو سب سے پہلے سبق کے بارے میں پوچھا کہ: سبق پڑھایا نہیں؟

حضرت شیخ کو نہ صرف قدیم وجدید شعرا کا عربی کلام وافر مقدار میں یاد تھا، بلکہ خود بھی شعروسخن کا عالی ذوق رکھتے تھے، انہوں نے ایک عربی دیوان یادگار چھوڑا ہے، جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا، اس میں انہوں نے تمام اغراض شعریہ کو جمع کیا ہے مثلاً: وصف، بہادری، مرثیہ وغیرہ ہاں مدح کے باب میں صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے دنیاداروں اور ارباب اقتدار کی مدح وثنا سے اپنے قلم کو آلودہ نہیں کیا، اس باب میں وہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بَدَأْتُ فِیْ مَدْحِہٖ وَالنَّفْسُ فِیْ خَجَلٍ — مِمَّاجَنَتْ اَرْتَجِیْ عَفْوًا وَّغُفْرَانًا
جَعَلْتُ بَابِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُلْتَمِسًا — اَرْجُو الشَّفَاعَۃَ اِکْرَامًاوَّاِحْسَانًا
عَلَیْکَ مِنِّیْ صَلَاۃٌ کُلَّمَاطَلَعَتْ — شَمْسٌ وَّغَرَّدَتِ الْاَطْیَارُ اَلْحَانًا

○ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کا آغاز کیا ہے، اس حال میں کہ میری جان اپنے کرتوتوں کی وجہ سے شرمسار ہے، میں معافی اور مغفرت کی امید رکھتا ہوں

○ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کا وسیلہ بنایا ہے اس حال میں کہ میں درخواست کرنے والا ہوں اور ازراہِ لطف واحسان شفاعت کا

امیدوار ہوں

○ میری طرف سے آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور پرندے اپنے انداز میں چہچہاتے رہیں۔

ایک قصیدے میں عربوں کو بیدار کرنے کے لئے جھنجوڑتے ہیں، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الْحَیَاۃَ لَآلَامٌ وَّآمَالٌ — وَنَاشِدُ الْعِزِّ لَایَعُرُوْہُ اِھْمَالٌ

نَادَیْتُ قَوْمِیْ بِاَصْوَاتٍ قَدِارْتَعَشَتْ — لَھَاالْقُلُوْبُ وَفُکَّتْ ثَمَّ اَوْصَالٌ

مَابَالُکُمْ یَارِجَالَ الْحَیِّ مَنْ حَزَبَتْ — صُفُوْفَکُمْ بِصُنُوْفِ الْبُؤْسِ تَنْھَالُ

ھَلْ لِلْعُرُوْبَۃِ اَقْیَالٌ ذَوُوْثِقَۃٍ — لَاالْقَوْمُ قَوْمٌ وَّلَاالْاَقْیَالُ اَقْیَالُ

تَبْکِی الْعُرُوْبَۃُ مَجْدًا زَاھِرًا نَّضِرًا — تَبْکِیْ حُمَاۃً اَھَابُوْا حَیْثُمَامَالُوْا

ھَلْ بِالْاَمَانِیِّ وَبِالْاَقْوَالِ نَھْضَتُکُمْ — سَاءَتْ اَمَانٌ وَّسَاءَتْ ثَمَّ اَقْوَالُ

❶ بے شک زندگی تکلیفوں اور امیدوں کا نام ہے اور عزت کے طلبگار کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ (یعنی وہ عزت حاصل کر کے رہتا ہے)

❷ میں نے اپنی قوم کو ایسی آوازوں کے ساتھ پکارا ہے جن کی بنا پر دل دہل گئے ہیں اور بندشیں ٹوٹ گئی ہیں۔

❸ اے قبیلے کے مردو تمہیں کیا ہے؟ کس نے مختلف قسم کی محتاجیوں کے سبب تمہاری صفوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے؟ اور وہ ریت کی دیوار ثابت ہو رہی ہیں۔

❹ کیا عربوں کے قابل اعتماد قائد موجود ہیں؟ نہ تو قوم وہ پہلی سی قوم رہی ہے اور نہ ہی قائد پہلے سے قائد رہے ہیں۔

❺ عرب اپنی روشن اور تابناک عظمتِ رفتہ کو روتے ہیں اور ایسے محافظوں کے (کھو جانے پر) آنسو بہا رہے ہیں جو انہیں ہر موقع پر عمل کی ترغیب دلاتے تھے جب

زمانہ انہیں مصائب میں ڈالتا تھا، نے جدھر بھی رخ کیا انہوں نے روک دیا۔

6 کیا تمہاری ترقی محض آرزوؤں اور باتوں سے ہوسکتی ہے؟۔وہ نری آرزوئیں بھی بری ہیں اور خالی اقوال بھی بے کار ہیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

لَاتَیْاَسُوْا وَثِقُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصِمُوْا فَالْیَاسُ لِلْقَلْبِ فَتَّاکٌ وَّقَتَّالٌ

وَالْجَدُّ یَبْعَثُ بِالرِّمَّاتِ مِنْ عَدَمٍ اِنَّ الْحَیَاۃَ لَآلَامٌ وَّآمَالٌ

○ تم ناامید نہ ہوجاؤ، اللہ پر بھروسہ کرو اور اس کا دامنِ رحمت مضبوطی سے تھام لو، اس لئے کہ مایوسی دل کو تباہ اور برباد کردیتی ہے۔

○ اور کوشش بوسیدہ ہڈیوں کو عدم سے وجود میں لے آتی ہے، بے شک زندگی تکلیفوں اور آرزوؤں کا مجموعہ ہے۔

شیخ کو نوعمری ہی سے شکار، تیراکی اور گھڑسواری کا شوق تھا، نشانے بازی کی اتنی مشق کی کہ اڑتی ہوئی چڑیا کو پستول سے شکار کرلیتے تھے، سوریہ (شام) کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔

حیاتِ مبارکہ کے آخری دنوں میں دمشق کے ہسپتال میں داخل تھے، عیدالاضحیٰ کے دنوں سے ان پر بے ہوشی طاری ہوجاتی تھی، جب بھی ہوش میں آتے تو ذکرالٰہی (اللہ اللہ) میں مصروف رہتے یہاں تک کہ ۵ر محرم الحرام ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء کو دارفانی سے رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔جامع اموی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور شیخ ارسلان دمشقی کے پہلو میں انہیں جدامجد شیخ ولی الدین فرفور کے پاس دفن کیا گیا۔[1]

محترم جناب عابد حسین شاہ مدظلہ پنڈ دادنخان نے حضرت شیخ کی تینوں

---

[1] حضرت شیخ محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ کا تفصیلی تذکرہ راقم نے ''من نفحات الخلود'' کے ترجمہ ''زندہ جاوید خوشبوئیں'' کے مقدمہ میں کردیا ہے، پیش نظر مقدمہ میں زیادہ تر معلومات ''تاریخ علماء دمشق فی القرن الرابع عشر الھجری'' کی تیسری جلد از محمد مطیع الحافظ اور نزار اَباظہ کے صفحہ نمبر ۵۰۷ سے ۵۲۰ سے ماخوذ ہیں، جس میں کچھ نئی باتوں کا تذکرہ ہے۔۱۲ اشرف قادری

کتابیں (نفحات، نسمات اور رشحات) راقم کو فراہم کیں۔ نسمات بازار سے دستیاب نہیں تھی تو انہوں نے شیخ محمد عبداللہ آل رشید کی ذاتی لائبریری سے لے کر ارسال کر دی، اسی طرح تاریخ علماء دمشق کی تیسری جلد کے متعلقہ صفحات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال کی، محترم سید سعید حسن شاہ نے بڑی محنت سے کمپوزنگ کی، محترم محمد عبدالستار طاہر نے بڑی دیدہ ریزی سے پروف ریڈنگ کی اس طرح یہ کتاب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچ رہی ہے۔ راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے۔ عزیزم حافظ قاری نثار احمد قادری کی کوشش ہے کہ کتاب بہتر سے بہتر انداز میں شائع کی جائے، اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی اور مزید توفیق عطا فرمائے۔

راقم ان دنوں لالہ زار فیز ٹو بالمقابل ریلم سکول، رائیونڈ روڈ، لاہور ''برکاتی منزل'' میں مقیم ہے، بخاری شریف کے سولھویں پارے کی شرح فیوض الباری لکھ رہا ہے۔ پندرہ پاروں کی شرح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کر گئے ہیں، اس کے علاوہ قرآن پاک کا ترجمہ کر رہا ہوں، کبھی کبھی ڈاکٹر رأفت پاشا کی تصنیف ''صورٌ من حیات الصحابۃ'' اور سید یوسف ہاشم رفاعی مدظلہ العالی کی کتاب ''التصوف والصوفیۃ'' کا ترجمہ بھی کرتا ہوں۔ احباب سے التماس ہے کہ فقیر کے لئے دعا کریں، مولائے کریم جل مجدہٗ مجھے یہ کام مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو تھوڑا بہت دین کا کام کیا ہے اسے قبول فرمائے اور میرے نسبی، علمی اور روحانی بیٹوں کو یہ کام آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۸/اکتوبر ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

بے شک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ـــــ ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں ـــــ اُسی سے قوت و معونت طلب کرتے ہیں ـــــ اُسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں ـــــ اور ہم اپنے نفسوں کی شر انگیزیوں اور اعمال کی برائیوں سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں ـــــ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے ـــــ جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ـــــ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ـــــ اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد مکرّم اور رسول معظم ہیں ـــــ اے اللہ! رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد مصطفےٰ، آپ کی آل پاک، صحابۂ کرام اور آپ کے محبّین پر۔

حمد و ثنا کے بعد!

خوش قسمتی، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کریم کا احسان یہ ہے کہ مجھے اتنی طاقت اور زندگی عطا فرمائی اور اتنے اسباب عطا فرمائے کہ میں سلسلۂ خلود کی اس جزء (نسمات) کی تالیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر قادر ہو سکا ـــــ یہ سلسلہ تین حصوں پر مشتمل ہے (۱) النفحات (اس کا ترجمہ بحمدہٖ تعالیٰ زندۂ جاوید خوشبوئیں کے نام سے راقم شرف قادری کے قلم سے چھپ چکا ہے) (۲) النسمات (پیش نظر کتاب) (۳) الرشحات (راقم شرف قادری نے اس کا ترجمہ ”سدا بہار خوشبوئیں“ کے نام سے کر دیا ہے جو کہ چھپ چکا ہے، والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک) ـــــ غالباً مجھے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے یہ حصہ بیماری کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے ـــــ کبھی بیماری مجھ پر غالب آجاتی اور کبھی میں اس پر غالب آجاتا ـــــ لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے امداد کی دعا مانگی تو اس کریم نے میری امداد فرمائی اور مجھے شفاء و عافیت عطا فرمائی ـــــ جس کا شکریہ ادا کرنے سے میں عاجز ہوں ـــــ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کا احسان ہے۔

میں نے جب اس کتاب کا پہلا حصہ تیار کیا تو میرا مقصد ایک تربیت گاہ کا تیار کرنا

—— مسلمان گھرانے، مسلمان بچوں اور مسلمان نوجوانوں کے لئے عظمتوں کی طرف سفر کا زادِراہ فراہم کرنا —— اور اپنے زندہ و پائندہ سلف صالحین اور مقتداؤں کی زندگیوں سے حاصل ہونے والے قیمتی اسباق کا پیش کرنا تھا —— علاوہ ازیں دلچسپ اور نوادر واقعات پر مشتمل ادبی کتاب تیار کرنا بھی پیش نظر تھا جس سے ادباء، قلمکار، شعراء اور خطباء سب ہی استفادہ کریں۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کاوش کا پہلا مقصد فریضۂ تبلیغ کا ادا کرنا ہے جو اہل علم کے ذمہ پر لازم ہے —— نیز مسلمان حکمرانوں اور عوام کی خیر خواہی ہے، کیونکہ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے —— ایک مقصد یہ بھی تھا کہ زندگی کے آخری دنوں میں کوئی ایسا اچھا کام کر جاؤں جو اس دن میرا اسفارشی بنے جب نہ مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے، ہاں وہ فائدے میں رہے گا جو قلب سلیم لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔

میں نے جتنے واقعات وقصص اور مقالات سپرد قلم کئے ہیں، سب حقیقی ہیں، ان کے علمی حوالے موجود ہیں —— ہر مقالے کے آخر میں حوالہ دے دیا گیا ہے —— میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں نے ان واقعات کو منتخب کر کے جمع کیا، ان پر عنوانات لگائے —— اور انہیں ہمت و طاقت کے مطابق آسان زبان میں ادیبانہ انداز اور بلیغ پیرائے میں بیان کر دیا ہے۔

اے اللہ! میری اس کوشش کو قبول فرما —— اور اسے خالص اپنے وجہِ کریم کے لئے بنا —— اس میں جو کچھ درست ہے وہ تیری طرف سے ہے —— اور جو نادرست ہے وہ میری طرف سے ہے —— اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش کا سوالی ہوں۔

اے اللہ! مجھے اور میری اس سعی کو اپنے پسندیدہ امور میں شامل فرما —— مجھے اپنی بارگاہ کے نیک بندوں میں شامل فرما —— شریکِ زمرۂ لایحزنون کر —— اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرا ذکر، تیرا شکر اور تیری عبادت اچھی طرح ادا کرتا رہوں۔

۷ رربیع الانوار ۱۴۰۰ھ
۷ رفروری ۱۹۸۰ء

محمد صالح فرفور
دمشق —— شام

کاش یہ نرم و نازک ہاتھ دوزخ کی آگ سے بچ جائے

ایک دفعہ عظیم فرماں روا، خلیفۂ عباسی ہارون الرشید کا دل اس طرح رنج والم کا شکار ہوا کہ اس کی رات کی نیند اُڑ گئی ——— اس غم واندوہ کے دور کرنے کے لئے کوئی طریقہ کامیاب نہ ہوسکا ——— ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضیل بن ربیع کو بلایا اور اسے کہا کہ میرے دل میں رنج واضطراب کی ایک ایسی پھانس اٹک گئی ہے جو نکالے نہیں نکلتی ——— اور اس نے مجھے بے بس کر دیا ہے ——— تم کوئی روحانی معالج تلاش کرو جو نفسیات کا ماہر ہو ——— ہوسکتا ہے کہ وہ میرے دل کی بے چینی اور بے کلی کا علاج کر دے ——— اور میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دے۔

وزیر نے سرِ تسلیم خم کیا ——— اس کے دل میں خیال آیا کہ خلیفہ کو سراپا اخلاص علماء کے پاس لے جائے ——— کیونکہ یہی لوگ روحوں کے معالج اور نفوس کے حکیم ہیں ——— وہ خلیفہ کو علم و زہد اور تقوٰی میں معروف تین بڑے علماء کے پاس لے گیا ——— انہوں نے خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے ترغیب وترہیب کے موضوع پر خلیفۂ وقت کو لیکچر دیئے ——— لیکن اسے کچھ فائدہ نہ ہوا ——— علم وفضل کے یہ اساطین اس کی ناقابل فہم بے چینی کو دور نہ کر سکے ——— ہارون الرشید نے انہیں انعام واکرام سے نوازا اور رخصت ہوگیا ——— وزیر کو کہنے لگا: ''بے شک یہ لوگ صدق واخلاص کے پیکر ہیں، لیکن مجھے ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا ——— تم بھی محسوس کر سکتے ہو کہ میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ——— روحانیات اور نفسیات کا کوئی ایسا عالم تلاش کرو جو میرے اضطراب

کا مداوا کر سکے۔''

وزیر نے کہا:''جناب! صرف ایک شخص باقی رہ گیا ہے ——— میرا گمان ہے کہ وہی آپ کا مطلوب شخص ہے اور آپ کو اسی کی تلاش ہے ——— وہی آپ کے سینے کی جلن دور کر سکے گا ——— اور وہی آپ کے حزن وملال اور تکلیف کو دور کر سکے گا۔''

ہارون الرشید نے کہا: وہ کونسا شخص ہے؟ جس کی تعریف میں تم زمین وآسمان کے قلابے ملا رہے ہو ——— تم نے تو مجھے ان کی زیارت کے لئے سراپا اشتیاق بنا دیا ہے۔

وزیر نے کہا: وہ متقی صوفی اور زاہد عالم ہے، جس نے دنیا کو اپنے دل سے نکال کر اپنے سامنے ڈال رکھا ہے ——— جو کسی جاہ وجلال اور درہم ودینار کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ہارون الرشید نے کہا: چلئے ان کے پاس چلتے ہیں ——— ممکن ہے ہمیں ان کے پاس دل کی بے قراری کا علاج مل جائے۔

دونوں رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے فضیل بن عیاض کے گھر پہنچ گئے ——— ان کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ اندر سے فضیل کی آواز سنائی دی ——— وہ خوف زدہ اور دردمند آواز میں قرآن پاک کی ایک ہی آیت بار بار پڑھ رہے تھے ——— اس کے ساتھ ہی آہ وبکا کی دلدوز آواز آرہی تھی، جس نے اِن کے حواس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

وزیر نے دروازہ کھٹکھٹایا ——— فضیل نے کہا: کون؟ ——— وزیر نے کہا دروازہ کھولئے، امیر المؤمنین رونق افروز ہیں اور ان کا وزیر حاضر ہے۔

فضیل کو خلیفۂ وقت اور اس کے وزیر کی آمد کا دکھ ہوا ——— ان کے دل کی آرزو یہ تھی کہ کوئی ان کے پاس نہ آئے ——— کیونکہ وہ تسبیح، تلاوت اور نماز کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر تھے ——— ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سلاطین اور امراء کی صحبت یادِ الٰہی سے غافل کر دیتی ہے ——— جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بادیہ نشینی اختیار کرے

اس کے مزاج میں سختی آجاتی ہے ـــــ جو شکار کا پیچھا کرے وہ خود غفلت کا شکار ہو جاتا ہے ـــــ اور جو سلطانِ وقت کے پاس حاضری دے وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے (۲)

یہ بجا کہ سلطان کی اطاعت رعایا پر لازم ہے ـــــ لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے ـــــ اور اگر وہ سرکشی اختیار کرے اور حدود سے تجاوز کر جائے تو خالق کی نافرمانی کرنے والی کسی مخلوق کی اطاعت لازم نہیں ہے ـــــ یہ تھی حضرت فضیل کی رائے ـــــ اس لئے وہ سلاطین اور امراء سے دور ہی رہتے تھے ـــــ ان کے قرب اور میل جول پر تنہائی کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت فضیل صاحبِ ورع و تقویٰ صوفی تھے ـــــ اور صوفیہ کے صحیح قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ وہ اعمال کو شریعت کے ترازو میں تولتے ہیں ـــــ اگر ان کا پلڑا بھاری ہو تو سبحان اللہ! ـــــ ورنہ صوفیہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت فضیل نے سوچا کہ خلیفہ بنفس نفیس میرے دروازے پر چل کر آیا ہے اور دروازہ کھولنے کا حکم دے رہا ہے ـــــ اس میں معصیت اور گناہ کی بھی کوئی بات نہیں ہے ـــــ فضیل اسلامی شریعت کی مخالفت تو نہیں کر سکتے تھے ـــــ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی چراغ بُجھا دیا اور خود حجرے کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے ـــــ ان کا یہ طریقہ آج کے عمومی انداز سے بالکل مختلف تھا ـــــ لوگ تو آرزوئیں کرتے ہیں اور دیدہ و دل فرش راہ کرتے ہیں کہ کوئی صاحبِ اقتدار امیر یا وزیر ہمارے ہاں تشریف فرما ہو ـــــ وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے ـــــ بڑے کرّ و فرّ اور خلق خدا کے بے تحاشا ہجوم کے ساتھ ان کا استقبال کرتے ہیں ـــــ تاکہ ان کی ایک نگاہِ التفات میسر آسکے اور ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونے کی سعادت حاصل ہو سکے۔

لیکن فضیل بن عیاض نے ایسا استقبال کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی

——یہ اس شخص کی طرف سے استقبال تھا جو دنیا کے مال و دولت، وقت کے حکمرانوں، اونچے عہدوں اوران کی چمک دمک کو پرِ کاہ کی حیثیت نہیں دیتا تھا—— جس کا تمام تر رُخ آخرت اوراس کی نعمتوں کی طرف تھا—— وہ حجرے کے ایک گوشے میں سمٹے ہوئے بیٹھے تھے——اور سانس بھی آہستہ لے رہے تھے، تاکہ خلیفہ کوان کا پتا نہ چل جائے۔

ہارون الرشید گھپ اندھیرے میں داخل ہوا—— وہاں استقبال کرنا تو کجا بات کرنے والا بھی کوئی نہ تھا—— اس نے فضیل کا نام لے لے کر پکارا، لیکن صدائے برنخاست—— اندھیرے میں خلیفہ اور وزیر دیواروں کو ٹٹولتے اور فضیل کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے—— اچانک رشید کا ہاتھ فضیل کے سر پر جالگا—— اس نے پکارا: فضیل!—— اس کے باوجود انہوں نے جواب نہیں دیا—— البتہ اتنا ہوا کہ فضیل نے اپنا ہاتھ رشید کے ہاتھ پر رکھ دیا—— اور بڑی ملائمت کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر پھیرنے لگے—— رشید خوش ہوگیا، اس نے واضح طور پر خیر و برکت کے آثار محسوس کئے——اور جاگتے ہوئے دل و دماغ سے محسوس کیا کہ روحانی محبت کا ایک سیلِ رواں ہے جو فضیل کے ہاتھ سے بہتا ہوا اس کے غافل دل کی طرف موجزن ہے۔

اچانک فضیل نے وہ کلمات کہے جنہیں تاریخ نے سنہرے حروف کے ساتھ اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا ہے—— ان کلمات نے پیکرِ اخلاص علماء کا مقام بلند سے بلند تر کردیا—— اور بادشاہوں کوان کے دروازوں پر اس حال میں لا کھڑا کیا کہ وہ ان علماء کے قرب کا خواب تو دیکھ سکتے ہیں، لیکن اسے حاصل نہیں کرسکتے—— حدیث نبوی ﷺ ہے: ہماری امت کے بدترین علماء وہ ہیں جو حکمرانوں کے دروازوں پر جاتے ہیں—— اور ہماری امت کے بہترین حکمران وہ ہیں جو علماء کے درِ دولت پر حاضری دیتے ہیں۔ (۳)

ان کلمات نے رشید کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا—— اسے مادیت کے جہان

سے جدا کر کے روحانیت کے جہان کی طرف محو پرواز کر دیا ـــــ اور اسے فضیل کے سامنے ورطۂ حیرت میں ڈبو دیا ـــــ اسے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں اور کیا کہوں؟ ـــــ وہ بری طرح تردد کی زد میں آ گیا ـــــ فضیل نے کہا: میرے اللہ! یہ ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے؟ ـــــ کاش یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے ـــــ یہ کلمات رشید کے دل پر نقش ہو گئے ـــــ وہ چاہتا بھی تو ان کلمات کو بھلا نہیں سکتا تھا۔

رشید نے یہ انوکھے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا ـــــ اسے ایک انجانی قوت نے اپنی گرفت میں لے لیا ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ رشید کو غائب کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ مادیت کی محبت سے پاک دل سے صادر ہونے والی خالص نصیحت سلاطین اور حکمرانوں کے دلوں کو فتح کر لیتی ہے ـــــ ان میں نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے ـــــ ارباب اقتدار کو پتا ہی نہیں چلتا کہ ان کے دلوں کو کس طرح قابو کر لیا گیا ہے؟ ـــــ ان کے نفوس کو کس طرح مسخر کر کے غلام بنا لیا گیا ہے؟ اور ان کی ذات میں لچک کہاں سے آ گئی ہے؟ ـــــ اور وہ کس طرح ان سیدھے سادے لوگوں کے غلام بے دام بن گئے ہیں؟۔

پھر اندھیرے ہی میں فضیل کی آواز ابھرتی ہے:

ہارون! مجھے تیرے بارے میں اس دن کا شدید خوف ہے جس دن پاؤں ڈگمگا جائیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! (وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا اس وقت اس جیسا کوئی ہمدرد تیرے ساتھ ہوگا؟ ـــــ کیا اس جیسا تیرا کوئی مشیر ہوگا؟

ہارون الرشید پر رقت طاری ہو گئی ـــــ اور وہ روتے روتے بیہوش ہو گیا ـــــ وزیر نے دیکھا کہ رشید رو رہا ہے اور اس کی گھگھی بندھی ہوئی ہے تو وہ خوفزدہ ہو گیا ـــــ

سے جدا کر کے روحانیت کے جہان کی طرف محو پرواز کر دیا ——— اور اسے فضیل کے سامنے ورطۂ حیرت میں ڈبو دیا ——— اسے یہ بات سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کروں اور کیا کہوں؟ ——— وہ بری طرح تردد کی زد میں آ گیا ——— فضیل نے کہا: میرے اللہ! یہ ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے؟ ——— کاش یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے ——— یہ کلمات رشید کے دل پر نقش ہو گئے ——— وہ چاہتا بھی تو ان کلمات کو بھلا نہیں سکتا تھا۔

رشید نے یہ انوکھے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا ——— اسے ایک انجانی قوت نے اپنی گرفت میں لے لیا ——— یوں معلوم ہوتا تھا کہ رشید کو غائب کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ مادیت کی محبت سے پاک دل سے صادر ہونے والی خالص نصیحت سلاطین اور حکمرانوں کے دلوں کو فتح کر لیتی ہے ——— ان میں نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے ——— ارباب اقتدار کو پتا ہی نہیں چلتا کہ ان کے دلوں کو کس طرح قابو کر لیا گیا ہے؟ ——— ان کے نفوس کو کس طرح مسخر کر کے غلام بنا لیا گیا ہے؟ اور ان کی ذات میں لچک کہاں سے آ گئی ہے؟ ——— اور وہ کس طرح ان سیدھے سادے لوگوں کے غلام بے دام بن گئے ہیں؟۔

پھر اندھیرے ہی میں فضیل کی آواز ابھرتی ہے:

ہارون! مجھے تیرے بارے میں اس دن کا شدید خوف ہے جس دن پاؤں ڈگمگا جائیں گے ——— اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! (وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا اس وقت اس جیسا کوئی ہمدرد تیرے ساتھ ہو گا؟ ——— کیا اس جیسا تیرا کوئی مشیر ہو گا؟

ہارون الرشید پر رقت طاری ہو گئی ——— اور وہ روتے روتے بیہوش ہو گیا ———
وزیر نے دیکھا کہ رشید رو رہا ہے اور اس کی گھگھی بندھی ہوئی ہے تو وہ خوفزدہ ہو گیا ———

کہنے لگا: فضیل! امیر المؤمنین پر نرمی کریں ــــــ ان کے حال پر ترس کھائیں، ذرا دیکھیں ان کا کیا حال ہو گیا ہے؟

رشید دھاڑیں مار کر رو رہا تھا ــــــ فضیل نے وزیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ربیع! تم اور تمہارے ساتھی اسے اپنی مجلسوں میں قتل کرتے ہو ــــــ اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں اس پر نرمی کروں؟ ــــــ اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ اسے نصیحت کی اور کیوں نہ اس پر نرمی کی؟"

رشید کو رونے سے کچھ مہلت ملی، آنسو اس کے رخساروں پر بہ رہے تھے ــــــ اسی حالت میں اس نے آہستہ اور عاجزانہ آواز میں کہا: فضیل! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے مزید ارشاد فرمائیں ــــــ کچھ اور فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔

فضیل نے اسے بڑی بلیغ نصیحتیں فرمائیں جو اس کے دل میں اتر گئیں ــــــ اس نے بھی بڑی نیاز مندی سے سنیں ــــــ رشید روحانی فرشتہ بن چکا تھا جو کانوں سے نہیں، بلکہ دل سے سن رہا تھا ــــــ اس کا نفس تختِ حکومت سے اتر کر سعید اور طاہر غلامی کی دہلیزوں تک پہنچ چکا تھا۔

رشید اِن مواعظ کو سن کر رو پڑا ــــــ کیونکہ یہ ایسے پُر خلوص اور سچے دل سے برآمد ہوئی تھیں، جو وعظ و نصیحت میں اپنے رب کریم کی رضا کے علاوہ کسی چیز کا طلب گار نہ تھا۔

رشید نے کہا: "فضیل کچھ مزید فرمائیں! ــــــ کچھ اور فرمائیں!"

فضیل اس کی طرف متوجہ ہوئے ــــــ اور اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے مسکرائے ــــــ اور یوں گویا ہوئے:

"اے حسین چہرے والے! (رشید حسین و جمیل تھا اور اس کا رنگ بھی گورا تھا)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ سے اس مخلوق کے بارے میں باز پرس فرمائے گا ---- اگر تو اس حسین چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا لے ---- اور تو اس حال میں ہرگز صبح یا شام نہ کر کہ تیرے دل میں رعایا کے کسی فرد کی طرف سے کھوٹ ہو ---- نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعایا کا پاسبان مقرر فرمائے، اور وہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت رعایا سے کھوٹ رکھنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دے گا ---- اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر غدار کی پیٹھ کے پاس ایک جھنڈا ہو گا، جو اس کی غداری جتنا اونچا ہو گا ---- عامۃ الناس کے غدار حکمران سے بڑا کوئی غدار نہیں ہے ---- اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔

رشید پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا ---- اس کے سیاہ ماضی کی فلم اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی ---- اس نے آرزو کی کہ کاش میں خلیفہ نہ ہوتا اور نہ ہی مجھ سے رعایا کے بارے میں باز پرس کی جاتی ---- کاش کہ میں زہد و تقوی اور دنیا سے دوری کے اعتبار سے فضیل کی چادر اوڑھ لیتا ---- تو میں بھی ان کی طرح ثواب و عقاب کے بغیر رہائی پا جاتا۔

رشید نے پوچھا: کیا آپ کے ذمہ کچھ قرض ہے؟ ---- اس کا خیال تھا کہ یہ نادار اور مقروض ہوں گے لہذا ان کی امداد کر دی جائے ---- آپ نے فرمایا: ہاں۔

رشید خوش ہو گیا ---- اس نے سوچا کہ میں ان کا قرض ادا کر دوں گا ---- اور ان کی زندگی کو خوشحالی سے ہمکنار کر دوں گا ---- کیونکہ فضیل ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میری اصلاح فرما اور میرا فقر و فاقہ دور فرما ---- رشید نے پوچھا: کتنا قرض ہے؟

اس نے سوچا کہ ان پر درا ہم و دنانیز کا قرض ہوگا ـــــ میں وہ ادا کر کے ان کو فقر و افلاس سے نجات دلا کر خوشحال زندگی سے آشنا کر دوں گا ـــــ حضرت فضیل نے اپنے ذمہ واجب الاداء قرض کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ ہاں! مجھ پر میرے رب کا قرض ہے جس پر اس نے میرا محاسبہ نہیں فرمایا ـــــ اگر اس نے تفتیش فرمائی تو میری تباہی ہے ـــــ اور اگر دلیل میرے دل میں القانہ کی گئی تو میری ہلاکت ہے ـــــ رشید فضیل کی سچی اور روحانی پرواز کی بلندی دیکھ کر حیران رہ گیا جس میں مادی منفعت کا شائبہ تک نہ تھا ـــــ رشید کو یوں محسوس ہوا کہ میں کسی معصوم آسمانی فرشتے سے گفتگو کر رہا ہوں جو نہ تو دنیا کو پہچانتا ہے اور نہ ہی دنیا کے مال و دولت سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔

رشید نے پھر سوال کیا کہ میں بندوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔

فضیل نے جواب دیا اور ایک دفعہ پھر اسے روحانی عالم بالا کی طرف لوٹا دیا ـــــ حکمران دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور دنیا ان کی عاشق ہوتی ہے ـــــ وہ دنیا سے چمٹ جاتے ہیں، اور دنیا ان سے چمٹ جاتی ہے ـــــ اس لئے ان سے دنیا کے اثرات اسی وقت زائل ہو سکتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے عارف باللہ علماء و اولیاء کے سامنے اس قسم کی روحانی مجلسوں میں حاضر ہوں گے۔

فضیل نے فرمایا: ''ہارون! میرے رب نے مجھے دنیا کی فکر کرنے کا حکم نہیں دیا ـــــ اس نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدے کی تصدیق کروں اور اس کا حکم بجا لاؤں ـــــ رب کریم کا ارشاد ہے: (ترجمہ) میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا، میں ان سے رزق بھی نہیں چاہتا، اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں، بے شک اللہ ہی بہت رزق دینے والا، قوت والا، زبردست ہے۔''

رشید پر حیرت چھا گئی ـــــ وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس مضبوط اور پر خلوص ایمان

اور یقین راسخ کے آگے کیا کرے؟ —— اس نے کہا: ''فضیل! یہ ایک ہزار دینار لے لیجئے، انہیں اپنے اہل وعیال پر خرچ کیجئے اور کھا پی کر عبادت کرنے کی طاقت حاصل کیجئے! —— اس کا خیال تھا کہ فضیل قبول کر لیں گے اور بڑے خوش ہو جائیں گے —— کیونکہ میں نے انہیں معقول بات کہی ہے اور واجب شرعی کا حوالہ دیا ہے —— اس لئے کہ اہل وعیال کا خرچ شرعاً بھی واجب ہے اور عقلاً بھی —— اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی قوت حاصل کرنا بھی آدمی پر واجب ہے۔

لیکن فضیل یہ ہدیہ قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے —— انہوں نے سلاطین اور حکمرانوں کے تحائف کو رشوت اور مشکوک قرار دیا —— یہ لوگ کسی کو دنیا کا کچھ حصہ دیتے ہیں تو اس سے زیادہ اس کے دین کا حصہ لے لیتے ہیں —— نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے: ''ہماری امت کے کچھ لوگ دین کی سمجھ حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے —— وہ کہیں گے کہ ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی دنیا کا ایک حصہ حاصل کرتے ہیں —— لیکن ہم اپنا دین بچا کر رکھیں گے —— (سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا) جس طرح ٹُھنڈ کنڈے سے سوائے کانٹوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح حکمرانوں (اور امراء) کے قرب سے گناہوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''[1]

چنانچہ فضیل نے معذرت کی اور یہ کہتے ہوئے ہدیہ واپس کر دیا:

''سبحان اللہ! میں تمہیں نجات کا راستہ بتاتا ہوں —— اور تم اس کے بدلے مجھے ایسی چیز دیتے ہو؟ —— اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور توفیق خیر عطا فرمائے۔''

اس کے بعد فضیل نے چپ سادھ لی اور ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا —— ان دونوں نے سمجھ لیا کہ یہ خلوت اور رخصت چاہتے ہیں —— چنانچہ وہ دونوں چلے آئے

ـــــــ ہاں چلے تو آئے، لیکن فضیل کا کلام ان کی روح میں اتر گیا اور ان میں ایسا نفسیاتی انقلاب بر پا کر گیا جس نے ان کی زندگی کا دھارا بدل دیا۔ رشید پر چھائی ہوئی غم و الم کی دھند دور ہوگئی ـــــــ اس نے اپنے دل میں روحانی محبت محسوس کی جس نے اس کے ایمان و یقین کو نئی جلا بخش دی ـــــــ فضیل کے پاس یہ مبارک نشست اس کی آئندہ زندگی کے لئے نقطۂ انقلاب ثابت ہوئی، یہاں تک کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔

پس جب خشیت الٰہی سے آباد دل سے پاکیزہ کلام نکلتا ہے تو وہ براہِ راست دلوں میں اتر جاتا ہے۔

تبصرہ:

تاریخ اسلام کے دورِ اول میں اس شان کے حامل عالم اور زاہد تھے جن کے دروازوں پر سلاطین اور حکمران چل کر آتے تھے ـــــــ ان کی دین داری کی گواہی دیتے تھے اور ان کی نصیحت پر عمل پیرا ہوتے تھے ـــــــ اور ان کا قرب حاصل کرنے کے مقاصد صرف یہ تھے: (۱) خالص نصیحت (۲) اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوشش اور (۳) امت مسلمہ کا فائدہ۔

سلاطین اور امراء اس قسم کے سراپا اخلاص علماء کو اپنے خصوصی مشیر بناتے تھے ـــــــ تاکہ اگر ان کے قدم پھسل جائیں تو یہ لوگ ان کی بے راہروی کی اصلاح کر دیں ـــــــ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں واقع نہ ہو جائیں ـــــــ وہ چاہتے تھے کہ جب ہم بھول جائیں تو یہ حضرات ہمیں یاد دلائیں ـــــــ اور جب راہِ راست سے بھٹک جائیں تو یہ ہمیں سیدھے راستے پر چلائیں۔

۱۔ فضیل بن عیاض (۱۰۵۔۱۸۷ھ = ۷۲۳۔۸۰۴ء) ابن مسعود تمیمی یربوعی کی کنیت ابو علی ہے، وہ خرم مکی کے شیخ اور ۔۔۔ براولیاء و عابدین میں سے تھے، حدیث میں معتبر تھے، ان سے کثیر مخلوق نے استفادہ کیا، ان میں سے امام شافعی بھی

ہیں، سمرقند میں پیدا ہوئے، ابیورد میں پلے بڑھے، بڑی عمر میں کوفہ پہنچے، ان کے آباء کوفہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، پھر مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں فوت ہوئے، ان کا مقولہ ہے: مَنْ عَرَفَ النَّاسَ اسْتَرَاحَ، جو لوگوں کو پہچان لیتا ہے وہ راحت میں رہتا ہے (یعنی دھوکہ نہیں کھاتا) الأعلام للزرکلی ۱۵۳/۵ ـــــ حضرت فضیل ڈاکوؤں کے سردار تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل نے یاوری کی تو ایک واقعہ ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر گیا، ہوا یہ کہ دیوار پھلانگ کر ایک گھر کے اندر جانا چاہتے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی، قاری صاحب پڑھ رہے تھے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ ۔ کیا مومنوں کے لئے وہ وقت قریب نہیں آیا؟ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے خشوع (خشیت) سے معمور ہو جائیں؟

یہ آواز کیا تھی؟ بجلی کا کڑکا تھا، جو دل کی دنیا کو تہ و بالا کر گیا، اسی وقت سچے دل سے رب کریم کی بارگاہ میں توبہ کی اور بعد ازاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں شامل ہو گئے اور اکابر شاگردوں میں شمار ہوئے۔

نوٹ: حضرت شیخ فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل کا تعارفی نوٹ بہت مختصر لکھا تھا، اس لئے راقم نے یہ چند سطور تحریر کر دی ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

۲۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سندِ حسن کے ذریعے روایت کیا ہے۔ فرفور

شیخ اسمٰعیل بن محمد عجلونی فرماتے ہیں اس حدیث کو امام طبرانی، امام احمد اور امام بیہقی نے روایت کیا (کشف الخفاء ۲/۲۳۶ ۱۲۔ شرف قادری

۳۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، اس کی سند میں اگرچہ گفتگو ہے، لیکن ایسی روایت فضائل اعمال میں مقبول ہوتی ہے۔

۴۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند صحیح سے روایت کیا۔

شیطان کے جال

حضرت علی بن زید، امام التابعین سعید بن مسیَّب (۱) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''شیطان جس شخص سے بھی مایوس ہوتا ہے، اس پر عورتوں کی طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم نے مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔'' (۲)

امام سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ اپنے بڑھاپے اور تقویٰ کے باوجود اکثر اپنی ذات پر عورتوں کی طرف سے خائف رہتے تھے (کہیں ان کی طرف سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے) ـــــ چوراسی سال کی عمر تھی ـــــ ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی تھی ـــــ صرف ایک آنکھ سے دیکھتے تھے ـــــ اس عالم میں بھی یہی کہتے تھے:

''میرے نزدیک کوئی چیز عورتوں سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔'' (۳)

ان کا یہ ارشاد سرچشمۂ نبوت سے ماخوذ ہے ـــــ حدیث شریف میں ہے:

اے عورتوں کے گروہ! صدقہ دو ـــــ ہم نے آگ میں تمہاری اکثریت دیکھی ہے۔ (۴)

امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: بندوں کے پاس اپنی جانوں کو عزت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایسی کوئی چیز نہیں ہے ـــــ اور اپنی جانوں کی توہین کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ایسی کوئی چیز نہیں ہے ـــــ مومنوں کے لئے نصرت خداوندی کا کرشمہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے دشمن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں

مصروف پائے۔

یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی بنا پر غنا حاصل کرلے، لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔''

یہ بھی انہیں کا مقولہ ہے:

''دنیا گھٹیا ہے —— گھٹیا ہی کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور سب سے زیادہ گھٹیا وہ ہے جو ناجائز طور پر دنیا کو حاصل کرے —— اور اسے ناجائز ذریعے اور ناجائز طریقے سے طلب کرے۔''

۱۔ حضرت سعید بن مسیّب (یاء کے نیچے زیر) کی کنیت ابو محمد ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آغاز کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ صاحب ہیبت و وقار تھے، امام التابعین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، جس طرح حکمرانوں سے اجازت لینے کے بعد ہی ان سے کوئی سوال کیا جا سکتا ہے، اسی طرح کسی کی جرأت نہ تھی کہ ان سے اجازت لئے بغیر ان سے سوال کرے، چوراسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ صفۃ الصفوۃ کسی قدر تصرف کے ساتھ۔

۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے باب النکاح میں اور امام مسلم نے باب الذکر میں روایت کیا۔

۳۔ ایک دفعہ شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور کے ایک پارک میں تقریر کر رہے تھے، پارک میں بارش کا پانی کھڑا تھا، کچھ خواتین پانی میں اینٹیں رکھ کر ان پر بیٹھی ہوئی تقریر سن رہی تھیں، اچانک علامہ صاحب کی ان پر نظر پڑ گئی، برجستہ فرمانے لگے: ''ان عورتوں کا بھی جواب نہیں ہے، برائی کے راستے پر چلیں تو سب سے آگے اور اگر نیکی کے راستے پر چلیں تو بھی سب سے آگے، یہ دیکھیے پانی میں بیٹھی ہوئی وعظ سن رہی ہیں'' —— حضرت سعید بن میسّب کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی بے راہروی اور بے پردگی بہت بڑا فتنہ ہے، دین کے خادموں، علماء اور مشائخ کو خاص طور پر نامحرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات نہیں کرنی چاہیے، شیخ سعدی فرماتے ہیں: چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند، جب کیچڑ زیادہ ہو تو بڑے بڑے ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں، یہ مخالفین کو تہمت لگانے کا موقع فراہم کرنے والی بات ہے۔ اسی طرح مرد ڈاکٹروں کا تنہائی میں مریض خواتین کا چیک اپ کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

۴۔ یہ حدیث امام بخاری نے باب الزکوٰۃ، حیض، عیدین اور شہادات میں روایت کی ہے۔

نعرۂ تکبیر

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ (۱) جہاد میں پیش قدمی اور جنگوں میں شجاعت اور تجربے کے اعتبار سے بہت نمایاں مقام رکھتے تھے ——— اس لئے حضرت ابوعبیدہ (کمانڈران چیف) اور حضرت خالد بن ولید نے غزوۂ اجنادین میں انہیں دشمن کے مقابلے میں بھیجنے کے لئے منتخب کیا۔

حضرت خالد بن ولید نے فرمایا: ضرار! میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ان پانچ ہزار جانبازوں کا کمانڈر بنا دوں، جنہوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے پاس بیچ دی ہیں ——— اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے ——— یہ سر بکف مجاہدین اُس دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں جو خود چل کر ہمارے مدّ مقابل آیا ہے ——— اگر آپ سمجھیں کہ ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو ان کے ساتھ جنگ کریں ——— اور اگر آپ محسوس کریں کہ مقابلہ بس سے باہر ہے تو ہمیں پیغام بھیج دینا۔

حضرت ضرار نے سیدنا خالد کی گفتگو سنی تو فرطِ مسرت سے اچھل پڑے ——— یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ہوا میں پرواز کر جائیں گے ——— بے ساختہ پکار اٹھے:

نعرۂ تکبیر! ——— واہ وا ——— سبحان اللہ! ——— آپ نے دل خوش کر دیا ——— ابن ولید! اللہ کی قسم! اس سے بڑی خوشی مجھے زندگی میں کبھی نہیں ملی ——— مجھے اجازت دیجئے! میں تنہا دشمن کے مقابلے میں جاتا ہوں ——— اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں شہادت حاصل کرلوں گا۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں بوڑھے ہوں یا جوان، عورتیں ہوں یا بچے سب کا ایک ہی مدعا تھا ―― شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن ―― وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتے تھے تو دنیا کی طرف اس حقارت سے دیکھتے تھے جس طرح ہم مردہ گدھے کو دیکھتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید نے یہ گفتگو سنی تو مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: میری زندگی کے پالنہار کی قسم! آپ واقعی ضرار ہیں ―― آپ واقعی ضرار ہیں ―― لیکن میری رائے میں احتیاط یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں ―― اس لئے آپ اپنے ساتھی جیالوں کے ساتھ روانہ ہوں ―― اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے ―― ضرار! اپنے اوپر مہربانی کریں ―― اور مجاہدین کے جمع ہونے کا انتظار کریں۔

حضرت ضرار نے فرمایا:

اللہ کی قسم! میں نہ تو ٹھہروں گا اور نہ ہی انتظار کروں گا ―― اللہ تعالیٰ کو جس کی بھلائی منظور ہوگی وہ خود مجھ تک پہنچ جائے گا۔

انہوں نے زرہ پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی طرف ایڑ لگا دی ―― کچھ آگے جا کر انہوں نے انتظار کیا، یہاں تک کہ مجاہدین ان کے پاس پہنچ گئے ―― سب سے آگے حضرت ضرار تھے۔

حضرت ضرار نے دیکھا کہ ہمارے مقابل بہت بڑا لشکر ہے ―― اور وہ بکھرے ہوئے ٹڈی دل کی طرح اتر رہا ہے ―― مزید برآں یہ کہ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہے ―― حضرت ضرار کے ساتھیوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو اس کی تعداد اور ساز و سامان کی کثرت کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے ―― دشمن کا رعب ان پر بری طرح چھا گیا ―― کہنے لگے:

''ضرار! اللہ کی قسم! اس لشکر کا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے——
ہمیں واپس جانے دیجئے!—— کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کامیاب ہو جائے اور ہم نقصان اٹھائیں۔''

حضرت ضرار نے یہ گفتگو سنی تو قید سے رہا ہونے والے شیر کی طرح چست ہو گئے——ان کی جرأت، قوت اور شجاعت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا—— کیونکہ انہیں اس بات کا یقین اور پختہ اعتقاد تھا کہ فتح و نصرت کثرتِ تعداد کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان کے پیش نظر تھا:

''بہت سے چھوٹے گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آ گئے ——اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (۲)

انہوں نے جواباً ایسی گفتگو کی جو اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد و توکل اور ایمان سے معمور دل سے برآمد ہوئی تھی——انہوں نے فرمایا:

''میرے مجاہد بھائیو! اللہ کی قسم! میں یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلاتا رہوں گا——میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے حضرات کے نقشِ قدم پر چلتا رہوں گا——اللہ تعالیٰ مجھے پسپا ہوتے ہوئے نہیں دیکھے گا—— اور میں دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاؤں گا—— کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: (ترجمہ)

''اے ایمان والو! جب میدانِ جنگ میں تمہارا کافروں سے آمنا سامنا ہو جائے تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو، اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس کے جو لڑائی کی چال چلتا ہو یا اپنی جماعت سے ملنا چاہتا ہو، تو بے شک وہ اللہ

کا غضب لے کر پھرا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (۳)

حضرت ضرار نے ابھی گفتگو مکمل نہیں کی تھی کہ مجاہدین کے دلوں میں اس کا عظیم اثر رونما ہوا ــــ ان کے کمزور عزائم یک دم چٹان کی طرح مضبوط ہو گئے ــــ اور عزم و ہمت سے عاری دل زندگی کی حرارت سے لبریز ہو گئے۔

ان کے بعد رافع بن عمیرہ طائی کھڑے ہوئے ــــ انہوں نے حضرت ضرار کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے اور جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

برادرانِ اسلام! ان عجمی کافروں سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ ــــ کیا اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری امداد نہیں کی؟ ــــ کیا آپ نہیں جانتے کہ فتح و نصرت صبر اور سچائی کے دوش بدوش ہے؟ ــــ ہمیشہ ہمارے چھوٹے لشکر بڑے بڑے لشکروں سے ٹکراتے رہے ہیں ــــ لہذا تم اہل ایمان کے راستے کی پیروی کرو ــــ رب العالمین کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ ــــ اور وہی دعا مانگو جو طالوت کی قوم نے جالوت کے مقابلے کے وقت مانگی تھی:

اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے ــــ ہمیں ثابت قدمی عطا فرما ــــ اور کافر قوم کے خلاف ہماری امداد فرما۔[۴]

رافع کی گفتگو کیا تھی؟ ــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے دل کا ایک ٹکڑا اور ایمان کا ایک انگارہ نکال کر حاضرین کی ہتھیلی پر رکھ دیا ہے ــــ ان کی گفتگو مکمل ہونے سے پہلے ہی ان کی پاکیزہ اور عظیم روح حاضرین پر چھا گئی ــــ ان میں غیر شعوری حرکت پیدا ہوئی اور وہ غیر ارادی طور پر ان کی طرف جھکتے چلے گئے ــــ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور خوشنودی کے لئے سراپا اشتیاق بن گئیں ــــ ان کے دلوں کی مایوسی ختم ہو گئی ــــ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد نے مایوسی کی جگہ لے لی۔

سچے اور مخلص قائد کا یہی مقام ہے کہ اس کی روح، پھونک مار کر مردہ لشکروں کے دلوں کو زندہ کر دیتی ہے ——— ان میں ملکوتی اور نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے ——— اور دنیا کی محبت کی نجاست کھرچ کر دلوں کو پاک کر دیتی ہے ——— تب ہر سپاہی ایک امت بن جاتا ہے اور پوری امت کا کردار ادا کرتا ہے۔

مجاہدین نے رافع کا خطاب سنا جو سچے اور ایمان سے بھرے ہوئے دل سے صادر ہوا تھا ——— رافع کی تائید کرتے ہوئے دوسرے جاں باز بھی پورے ذوق وشوق سے جنگ کے لئے آمادہ اور جہاد کی گرم بازاری میں چھلانگ لگانے پر تیار ہو گئے۔

حضرت ضرار نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل سے مجاہدین کے دلوں کو بزدلی اور مایوسی سے نکال کر جرأت اور جنگ کی طرف پھیر دیا ہے ——— رافع اور ان کی تائید کرنے والے مجاہدین کی ستائش کی ——— حضرت ضرار نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے نہ صرف یہ کہ انہیں خوشی ہوئی، بلکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں ——— تب انہوں نے بلند آواز سے اپنی قوم کو پکارا ——— اور انہیں وہ وعدہ یاد دلایا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: کہنے لگے:

''اے مومنو! بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔'' (۵)

یہ جنت تمہارے سامنے ہے ——— قبضے کے بازار کی طرف اٹھو ——— اور نہایت مہربان اور کرم گستر رب سے جنت وصول کر لو۔

حضرت ضرار نے زرہ تو کیا قمیص بھی اتار دی ——— ان کے جسم پر صرف زیر جامہ تھا جو ستر عورت کا کام دے رہا تھا اور بس ——— ان کے ہاتھ میں بغیر پھل کے طویل رُدَینی نیزہ تھا، یہی ان کا کل اسلحہ تھا ——— وہ اپنے ساتھیوں کو صبر اور ثابت قدمی کی

تلقین کر رہے تھے ـــــــ وہ شوقِ شہادت سے اس عاشق کی طرح سرشار تھے جسے اپنے معشوق سے بچھڑے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا ہو ـــــــ انہیں اس بات کی پروانہیں تھی کہ وہ موت پر گرتے ہیں یا موت ان پر گرتی ہے۔

اسی حالت میں تنہا میدان میں نکل آئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا ـــــــ تمام مجاہدین نے بیک زبان ہو کر نعرۂ تکبیر لگایا ـــــــ اس نعرے کو سن کر مشرکوں کے دل ان کے سینوں میں بیٹھ گئے ـــــــ سب سے بڑا نعرہ جس سے میدانِ جنگ میں کافروں کے دل دہل جاتے ہیں یہی ہے (اللہ اکبر ـــــــ اللہ اکبر) یہ کافروں کے دلوں پر بجلی کی طرح گرتا ہے۔

مشرکین حضرت ضرار کو اس حالت میں دیکھ کر دنگ رہ گئے ـــــــ ان کے جسم پر صرف اتنا کپڑا تھا جو سترِ عورت کا کام دے رہا تھا ـــــــ ورنہ سر بھی ننگا اور باقی جسم بھی ننگا تھا ـــــــ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ میرے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی تمہارے ہتھیاروں کی ـــــــ تمہاری دنیا سے میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت اور اس کی رضا حاصل ہو جائے۔

میدان جنگ میں مسلم اور غیر مسلم کا بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمان میدانِ جنگ میں اس یقین کی بنا پر پیش قدمی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جانا تمام دنیا سے بہتر ہے ـــــــ شہادت اسے ہر محبوب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے ـــــــ غیر مسلم کو اپنی جان کا خوف لاحق رہتا ہے ـــــــ وہ سمجھتا ہے کہ یہ چلی گئی تو پھر واپس نہیں آئے گی ـــــــ کیونکہ وہ موجودہ زندگی کے بدلے حیاتِ جاودانی کا قائل ہی نہیں ہوتا ـــــــ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قلتِ تعداد اور ساز و سامان کی کمی کے باوجود فتح سچے مسلمانوں کی ہوتی ہے ـــــــ مشرکین اپنی عددی برتری اور سامانِ جنگ کی فراوانی کے باوجود فتح سے محروم رہتے ہیں ـــــــ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے؟

تَـاَخَّـرْتُ اَسْتَبْـقِـىْ الْـحَيَـاةَ فَلَمْ اَجِدْ
لِـمِثْلِـىْ حَيَـاةً مِثْلَ اَنْ اَتَقَـدَّ مَـا

''میں زندگی کو بچانے کے لئے پیچھے ہٹا، تو میں نے اپنے جیسے شخص کے لئے آگے بڑھنے جیسی زندگی نہیں پائی۔''

ہاں! حضرت ضرار کے برہنہ جسم کے منظر نے مشرکین پر سکتہ طاری کر دیا ——— انہوں نے دیکھا کہ ہمارا پورا جسم آہنی چادروں سے ڈھانپا ہوا ہے ——— اور ان کے جسم پر ستر عورت کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہے ——— اِن سچے اور نا قابل شکست عزائم کے سامنے اُن کے عزائم ریت کی دیوار ثابت ہوئے ——— ان کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے ان کے دل بزدلی اور پسپائی کا شکار ہو گئے ——— وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ مرد میدان ایسی خوفناک جنگ میں کس طرح ننگے سر اور ننگے بدن پیش قدمی کر رہا ہے؟ ——— اسے یہ خوف ہی نہیں کہ اس کے جسم پر تلوار یا نیزے کا وار لگ سکتا ہے ——— اللہ کی قسم! ہم نے تو اپنے شہسواروں میں بھی ایسی دلاوری نہیں دیکھی ——— ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے۔

پھر مسلم مجاہدین نے یکبارگی نعرۂ تکبیر بلند کیا ——— جنگ شروع ہو گئی ——— یہاں تک کہ نقطۂ عروج کو پہنچ گئی اور پنڈلی کے ساتھ پنڈلی ٹکرانے لگی ——— حضرت ضرار نے زوردار حملہ کیا اور مشرکین کی صفیں الٹ دیں ——— وہ نیزے کے جوہر دکھاتے رہے اور کشتوں کے پشتے لگاتے چلے گئے ——— وہ مجاہدین کو صبر و استقامت کی اپیل کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے (ترجمہ):

''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صفیں باندھ کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔'' (٦)

حضرت ضرار مشرکوں کو بڑی چابکدستی سے جہنم رسید کر رہے تھے ـــــ اچانک ان کی نگاہ شاہِ روم کے بیٹے ہمدان پر پڑی جو اپنے گھوڑے کا رخ پھیر کر راہِ فرار اختیار کر رہا تھا ـــــ حضرت ضرار بجلی کے کوندے کی طرح اس کے سر پر پہنچ گئے ـــــ نیزے کا اتنا شدید وار کیا کہ اس کے سینے میں کھڑکی کھل گئی ـــــ جب نیزہ واپس کھینچا تو اس کا پھل (۷) کندھے کی ہڈی کے ساتھ ہی چپک کر رہ گیا ـــــ ان کے ہاتھ میں پھل کے بغیر صرف لکڑی کا نیزہ رہ گیا ـــــ وہ اسی کی نوک کو استعمال کرتے ہوئے جنگ کرتے رہے۔

ـــــ رومیوں نے جب دیکھا کہ ان کے پاس بغیر پھل کے نیزہ ہے تو ان پر اجتماعی طور پر حملہ آور ہو گئے ـــــ انہیں زخموں سے چور کر دیا ـــــ وہ پوری ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، بالآخران کے قویٰ جواب دے گئے ـــــ اور دشمن نے انہیں گرفتار کر لیا ـــــ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس میں کیا راز تھا؟

دنیائے جنگ کا یہ دستور ہے کہ جب کمانڈر گرفتار یا شہید ہو جائے تو فوجیں ہمت ہار بیٹھتی ہیں ـــــ وہ مایوسی اور بزدلی کا شکار ہو کر راہِ فرار تلاش کرنے لگتی ہیں ـــــ لیکن حضرت ضرار کے گرفتار ہونے سے ان کے ساتھیوں کا مورال تباہ نہیں ہوا ـــــ بلکہ ان کی جرأت وبسالت بام عروج پر پہنچ گئی ـــــ انہوں نے موت سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا ـــــ انہوں نے قسم کھائی کہ یا تو اپنے کمانڈر کو دشمن کی قید سے چھڑائیں گے یا پھر ہم بھی جامِ شہادت نوش کر جائیں گے۔

عوام اور قائدین میں اگر محبت واخلاص کا رشتہ قائم ہو تو عوام ایسی ہی جاں بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں ـــــ ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جس کے عوام اور قائدین کے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ حائل ہو۔

حضرت ضرار کی گرفتاری کا مجاہدین کو سخت صدمہ تھا ـــــ رافع بن عمیر نے

مجاہدین سے خطاب کیا——انہیں ثابت قدمی اور ڈٹ جانے کی اپیل کی——اور انہیں بتایا کہ صبر اور سچائی ہی فتح کی معراج ہے——انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے حاملانِ قرآن! کہاں جانا چاہتے ہو؟—— تمہیں معلوم نہیں کہ جو شخص دشمن کے سامنے پیٹھ دکھائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہے——جنت کے کچھ دروازے وہ ہیں جو صرف مجاہدین کے لئے کھلتے ہیں——ڈٹ جاؤ، ڈٹ جاؤ——اے قرآن کے پیروکارو! جنت حاصل کرلو، جنت لوٹ لو——بت پرست کافروں پر ٹوٹ پڑو۔

حضرت رافع پورے جوش وخروش کے ساتھ خطاب کررہے تھے اور مجاہدین کو جنگ پر ابھار رہے تھے——یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زبان نہیں، بلکہ روح بول رہی ہے——وہ کہہ رہے تھے:

اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا کہ میں تمہیں کوئی آرڈر دوں اور خود الگ تھلگ رہوں——یہ دیکھو! میں تم سب سے آگے ہوں——اگر تمہارا بھائی قید یا شہید ہوگیا ہے، تو کیا ہوا؟——اللہ تعالیٰ تو زندہ و پائندہ ہے——وہ تمہیں ایسی آنکھ سے دیکھ رہا ہے جو سوتی نہیں——وہ اپنی نصرت واعانت کے ساتھ تمہارا پاسبان ہے——وہ بڑا ہی مہربان اور بڑا ہی کرم فرمانے والا ہے۔

تمام مجاہدین نے پوری جاں بازی کے ساتھ دشمن پر حملہ کردیا——ان میں سے ہر ایک کی آرزو یہ تھی کہ وہی حضرت ضرار کو دشمن کی قید سے چھڑائے۔

ادھر حضرت خالد بن ولید کو حضرت ضرار کی گرفتاری کی اطلاع دی گئی تو وہ اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے——جنگ پورے زوروں سے چھڑ گئی لیکن

رومیوں نے حضرت ضرار کو ایک سو سواروں کی حراست میں دے کر شاہِ روم کے پاس روانہ کر دیا —— تاکہ وہ ان سے اپنے بیٹے ہمدان کا بدلہ لے سکے —— مسلمانوں کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو حضرت خالد بن ولید نے حضرت رافع بن عمیرہ کو مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا —— جنہوں نے نہ صرف حضرت ضرار کو رہا کرایا بلکہ لے جانے والے تمام رومیوں کو جہنم رسید بھی کر دیا —— اور کامیاب و کامران واپس آئے۔

یہ تھے دورِ اول کے مجاہدین —— ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جامِ شہادت نوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے عمل کے سوا کچھ نہ تھا —— ان سراپا اطمینان جانوں کے لئے واحد نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تھی —— رضی اللہ تعالیٰ عنهم و رضوا عنه

(فتوح الشام —— کسی قدر تصرف کے ساتھ) ۸

۱۔ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ازور کا نام مالک بن اوس ہے (ازور صیغۂ صفت ہے جس کا معنی ترچھی نظر والا ہے) کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، ان کی وفات میں اختلاف ہے، واقدی کہتے ہیں کہ یمامہ میں شہید ہوئے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، بڑے بہادر اور نڈر مجاہد تھے، جنگ یرموک اور فتح دمشق میں حاضر ہوئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دمشق میں فوت ہوئے، ہمارے ہاں دمشق میں شیخ ارسلان کے پہلو میں ایک جامع مسجد ہے، جسے جامع ضرار بن ازور کہا جاتا ہے، میں اس مسجد میں دو قبریں دیکھتا رہا ہوں، ممکن ہے وہی آپ کا مزار ہو۔ ۱۲ فرفور —— آپ کی بہن حضرت خولہ بنت ازور (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی محیر العقول حد تک جاں باز تھیں اور مردانہ لباس پہن کر اپنے بھائی کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیتی تھیں، فتوح الشام میں ان کے کئی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲ اشرف قادری

۲۔ البقرہ: ۲/۲۴۹ ۳۔ الانفال: ۸/۱۵ ۴۔ البقرۃ: ۲/۲۵۰

۵۔ التوبۃ: ۹/۱۱۱ ۶۔ الصف ۶۱/۴

۷۔ غالباً یہ دوسرا نیزہ تھا، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے ہاتھ میں پھل کے بغیر نیزہ تھا۔ ۱۲ اشرف قادری

ایمان کا قیدی، جہاد کا بطل جلیل

ابو محجن ثقفی (۱) میدانِ جنگ کے مایۂ ناز شہسوار تھے ـــــ لیکن شراب ان کی کمزوری تھی ـــــ وہ شراب کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ـــــ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دفعہ ان پر شراب کی حد جاری کی، لیکن وہ اس سے قطع تعلق نہ کر سکے ـــــ حضرت فاروق اعظم نے فیصلہ کیا کہ انہیں جلاوطن کر کے ایک سمندری جزیرے میں بھیج دیا جائے۔

ابو محجن بڑی عظمت و رفعت کے مالک تھے ـــــ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جنہیں قید یا جلاوطن کیا جائے ـــــ انہیں یہ فیصلہ بہت گراں گزرا، انہوں نے راہِ فرار اختیار کی ـــــ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس (قادسیہ) پہنچ کر طے کیا کہ جامِ شہادت نوش کرنے تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا ـــــ انہیں یہ صورت، جلاوطنی کی ذلت سے بہتر دکھائی دی ـــــ کسی شاعر (۲) نے کیا خوب کہا ہے:

مَهْلًا اُخَيَّ فَمَا بِالْمَوْتِ مِنْ حَرَجٍ
اِنْ كَانَ يَعْرُوْ حَيَاةَ الْمَرْءِ اِذْلَالٌ

''اے میرے بھائی! ٹھہر جا ـــــ اگر انسان کی زندگی پر ذلت چھا رہی ہو تو مرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

(یعنی گیدڑ کی زندگی سے شیر کی موت بہتر ہے)

آزاد اور خوددار مسلمان دل کی گہرائی سے چاہتا ہے کہ اپنے دین اور وطن کا دفاع کرے ـــــ ابو محجن اس سے پہلے چوری چھپے شراب پینے کی لذت میں گرفتار تھے! اب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرنے کے شوق سے سرشار ہو گئے ـــــ حضرت عمر

فاروق ابو محجن کی دلاوری، پیش قدمی، میدانِ جنگ میں جہاد کے فطری شوق اور شہسواری کے ساتھ تیر اندازی کے لگاؤ کو بخوبی جانتے تھے ـــــ اور ان کا موجودہ ابتلا بھی ان کے سامنے تھا ـــــ اس لئے جب انہیں ابو محجن کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: ابو محجن اس لئے بھاگے ہیں کہ وہ اپنی سزا کی مدت دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے گزار دیں ـــــ وہ سعد بن ابی وقاص کے پاس جائیں گے ـــــ اور وہاں جنگ اور تیر اندازی میں حصہ لے کر اپنے دل کا شوق پورا کریں گے۔

انہوں نے حضرت سعد کو پیغام بھیجا:

''اگر ابو محجن آپ کے پاس آئیں تو انہیں گرفتار کر کے اپنے پاس قید کر لیں۔''

اِدھر ابو محجن حضرت سعد کے لشکر میں پہنچے، اُدھر حضرت فاروق اعظم کا حکمنامہ بھی پہنچ گیا ـــــ حضرت سعد نے حضرت فاروق اعظم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ابو محجن کو گرفتار کر کے اپنے خیمے میں قید کر دیا۔

صبح ہوئی تو ابو محجن نے گھوڑوں کی آوازیں اور تلواروں کی جھنکاریں سنیں ـــــ مجاہدین کو نعرے لگاتے ہوئے سنا: وَامُحمداہ۔ وَامُحمداہ............ یا رسول اللہ، یا رسول اللہ!

ـــــ تو ان کا دل شوق جہاد سے تڑپ اٹھا ـــــ اور سینہ جذبۂ جہاد سے لبریز ہو گیا ـــــ وہ کسی ڈسے ہوئے دکھی کی طرح رو رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے:

کیا میرا عورتوں کے درمیان عورتوں کی طرح قید ہو کر بیٹھے رہنا صحیح ہے؟

ـــــ جب کہ شہسوار گھوڑوں کی پشتوں پر سوار ہو کر اپنا دلی مقصد فتح یا شہادت حاصل کر رہے ہیں ـــــ تف ہے بزدل پر، افسوس ہے بزدل پر ـــــ اللہ کرے کہ بزدلوں کی آنکھیں نیند آشنا نہ ہوں ـــــ اللہ کی قسم! میں بھاگ کر میدانِ جنگ میں اس لئے آیا تھا کہ اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ مل کر جہاد کروں

گا اور ربّ کائنات سے انعامِ شہادت حاصل کروں گا ——— لیکن مجھے ان سب چیزوں سے روک دیا گیا ہے ——— اور ایک عورت کی طرح عورتوں کے پہلو بہ پہلو خیمے میں بند کر دیا گیا ہے ——— حیف ہے اس زندگی پر ——— نفرین ہے اس جینے پر۔

کیا نبی قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردہ، تہلکہ خیز بہادر اور صف شکن شہسوار ایسے خوفناک موقع پر اپنے اوپر ضبط کا بندھن باندھ سکتا ہے؟ ——— اور یہ سب کچھ دیکھ سن کر برداشت کر سکتا ہے؟

ہاں ہاں! جب انہوں نے دیکھا کہ قادسیہ کے میدان میں جنگ پورے زور شور سے جاری ہے ——— اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ——— تو انہیں جام و مینا یاد رہا، نہ ساقی اور صحن گلستاں ——— ان پر تو ایک جنون سوار ہو گیا ——— ان کی عقل جواب دے گئی ——— اور ان کا دل قابو سے باہر ہو گیا ——— انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں؟ اور کیا کہیں؟۔

اسی اثناء میں روتے اور بلکتے ہوئے حضرت سعد کی اہلیہ محترمہ کو مخاطب کیا ——— اور حالت یہ تھی کہ آنسوان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے ——— کہنے لگے: سلمٰی! کیا آپ نیکی کا ایک عظیم کام کرنا چاہتی ہیں؟ ——— ایسا کام جس پر آپ کو دنیا و آخرت میں اجر و ثواب ملے گا۔

انہوں نے کہا: ابو محجن! فرمایئے وہ کونسا کام ہے؟

ان کا خیال تھا کہ شاید وہ کھانے پینے کی فرمائش کریں گے۔

......اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتی ہیں تو مجھے رہا کر دیں ——— اور حضرت سعد کا چتکبرا گھوڑا مجھے عاریۃً دیدیں ——— پھر ٹھنڈی سانس

لیتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے کہنے لگے:

سلمیٰ! میں اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد کرتا ہوں کہ اگر میرے رب نے مجھے محفوظ رکھا تو میں واپس آ کر دوبارہ اپنے پاؤں مین بیڑیاں پہن لوں گا۔

حضرت سلمیٰ نے ان کی بات نہ مانی ——اور دل میں کہنے لگیں: ممکن ہے یہ پہلے کی طرح پھر راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے ہوں —— حضرت سعد انہیں میرے پاس بطور امانت چھوڑ گئے ہیں —— انہیں کیا جواب دوں گی؟۔

ابو محجن نے بڑا اصرار کیا، لیکن سلمیٰ نہیں مانیں —— انہوں نے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلِ اشک بہاتے ہوئے درج ذیل اشعار پڑھے، جو سلمیٰ نے بھی سنے:

كَفٰى حَزَنًا اَنْ تَرْتَدِى الْخَيْلُ بِالْقَنَا
وَاُتْرَكَ مَشْدُوْدًا عَلَىَّ وَثَاقِيَا

غم زدہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ گھوڑوں پر نیزوں کی چادر تنی ہوئی ہو اور مجھے سخت بندشوں میں باندھ کر ڈال دیا گیا ہو۔

اِذَاقُمْتُ عَنَّانِى الْحَدِيْدُ وَغُلِّقَتْ
مَصَارِيْعُ مِنْ دُوْنِىْ تُصِمُّ الْمُنَادِيَا

جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو لوہے کی بیڑیاں مجھے تکلیف دیتی ہیں اور میرے آگے کواڑ بند کر دیے گئے ہیں، جو پکارنے والے تک میری آواز پہنچنے نہیں دیتے۔

وَقَدْ كُنْتُ ذَامَالٍ كَثِيْرٍ وَاِخْوَةٍ
وَقَدْتَرَكُوْنِىْ وَاحِدًا لَّا اَخَالِيَا

میں بڑے مال کا مالک تھا، میرے بھائی بھی تھے، لیکن انہوں نے مجھے اس طرح تنہا چھوڑ دیا جیسے میرا کوئی بھائی ہی نہ ہو۔

حَبِیْسًا عَنِ الْحَرْبِ الْعَوَانِ وَقَدْ بَدَتْ
وَاَعْمَالُ غَیْرِیْ یَوْمَ ذَاکَ الْمُنَادِیَا

''جنگ اپنے جوبن پر اور ظاہر و باہر ہے۔ مجھے اس سے روک دیا گیا ہے، میرے سوا دوسروں کے اعمال مشہور و معروف ہیں۔''

وَلِلّٰہِ عَھْدٌ لَّا اَخِیْسُ بِعَھْدِہٖ
لَئِنْ فُرِجَتْ الّاَ اَزُوْرَ الْحَوَانِیَا

''میرا اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہے اور میں اس وعدے کو نہیں توڑوں گا اگر اس جنگ میں فتح حاصل ہو گئی تو میں شراب کی دوکانوں کا رخ نہیں کروں گا۔''

یہ اشعار سن کر حضرت سلمٰی پر رقت طاری ہو گئی ــــــ کہنے لگیں: اے ابو محجن! آپ کو کیوں قید کیا گیا ہے؟ ــــــ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے حرام کھانے یا پینے کی بنا پر قید نہیں کیا گیا ــــــ میں دورِ جاہلیت میں شراب کا رسیا تھا ــــــ میں نے دو شعر کہے جن کی بنا پر حضرت عمر فاروق نے مجھے قید کر دیا ــــــ حضرت سلمٰی نے پوچھا: وہ کونسے شعر ہیں؟ ــــــ کہنے لگے:

اِذَا مُتُّ فَادْفِنِّیْ اِلٰی اَصْلِ کَرْمَۃٍ
تُرَوِّیْ عِظَامِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ عُرُوْقُھَا

''جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کی بیل کی جڑ کے پاس دفن کرنا، میری موت کے بعد اس کی جڑیں میری ہڈیوں کو سیر کرتی رہیں گی۔''

وَلَا تَدْفِنَنِّیْ بِالْفَلَاۃِ فَاِنَّنِیْ
اَخَافُ اِذَا مَامُتُّ اَنْ لَّا اَذُوْقُھَا

''مجھے جنگل میں دفن نہ کرنا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میں مرنے کے بعد اسے چکھ

نہیں سکوں گا۔"

حضرت سلمیٰ نے جب دیکھا کہ جنگ میں شریک نہ ہونے کا انہیں سخت صدمہ ہے ——— اور فضیلت جہاد سے محروم ہونا ان کے لئے دکھ کا باعث ہے ——— تو ان کا دل بھی نرم ہو گیا ——— کہنے لگیں:

"ابو محجن! میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے ——— میں آپ کے اس عہد پر راضی ہوں کہ آپ اپنی جگہ پر واپس لوٹ آئیں گے۔"

یہ سن کر ابو محجن اتنے خوش ہوئے جیسے فضائے بسیط میں پرواز کر رہے ہوں ——— اور پوری دنیا کے مالک بن گئے ہوں ——— حضرت سعد کا گھوڑا لیا اور ان کی زرہ زیب تن کر کے دشمن کے لشکر پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے ——— دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کی صفیں الٹ دیں ——— مجاہدین حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کون ہے؟ ——— حضرت سعد نے انہیں پہچان لیا، اس کے باوجود انہیں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ دادِ شجاعت دینے کا موقع دیا ——— اسی دن شام کے وقت حضرت سعد اپنے مجاہد ساتھیوں کی خیریت دریافت کر رہے تھے ——— کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ابو محجن شراب پی رہے ہیں اور گا رہے ہیں ——— اس عظیم مجاہد اور شہسوار کے دوبارہ پرانی معصیت میں مبتلا ہونے پر حضرت سعد جلال میں آ گئے ——— اور فرمایا: او اپنی جان کے دشمن! تمہارا ثواب برباد ہو گیا ——— تیری پیش قدمی ناقص ہوئی ——— کافروں سے جہاد کرنے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دے رہے ہو؟ ——— کیا تم اپنے لئے اس گھٹیا حرکت کو پسند کرتے ہو؟ ——— پھر انہیں شراب پینے پر حد لگائی ——— اور قید کر کے ان پر پہرہ لگا دیا ——— دوسرے دن ایرانیوں کے کمانڈر رستم نے جنگ کا آغاز کرتے ہوئے چیلنج کیا کہ ہے کوئی میرے مقابل آنے والا؟ ——— یکے بعد دیگرے تین شہسوار اس کے مدمقابل آئے اور

اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے ـــــ حضرت قعقاع (۴) نے ارادہ کیا کہ وہ خود اس کا مقابلہ کریں ـــــ اچانک ایک شہسوار آندھی اور طوفان کی طرح رستم کی طرف بڑھا ـــــ اور اتنی گرجدار آواز کے ساتھ رستم کو للکارا کہ وہ دہشت زدہ ہو گیا ـــــ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آنے والے شہسوار کا نیزہ اس کے ایک پہلو میں پیوست ہو کر دوسری طرف نکل گیا ـــــ حضرت سعد نے اس شہسوار کے بارے میں پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ ابو محجن ثقفی ہیں ـــــ آپ پلٹ کر اپنے خیمے میں گئے تو دیکھا کہ وہ خیمے میں موجود ہیں اور بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال چکے ہیں ـــــ حضرت سعد نے فرمایا کہ جب یہ تمہارا انداز ہے تو میں نے تمہیں معاف کیا۔ (یعنی قید ختم)

ابو محجن نے کہا:

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ اس خانہ خراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وعدے پر ثابت قدمی عطا فرمائی ـــــ ان کا حال درست فرما دیا ـــــ اور ان کا خاتمہ قابل صد رشک ہوا۔

(فتوح الشام۔ واقدی ـــــ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

۱۔ ابو محجن ثقفی: عمرو بن حبیب بن عمر مشہور شاعر تھے، شراب کے پکے رسیا تھے، اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں قید کر دیا تھا، بڑے دلاور اور کریم تھے، وفات سے پہلے شراب سے توبہ کر لی تھی، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے جان لڑا دیتے تھے، کہا گیا ہے کہ ان کی وفات آذربائی جان میں ہوئی، بعض علماء نے کہا کہ جرجان میں فوت ہوئے۔

۲۔ یہ شعر خود حضرت مؤلف (شیخ فرفور) رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس قصیدے کا پہلا مصرع ہے:

إِنَّ الْحَيَاةَ لَآلَامٌ وَآمَالُ

۳۔ حضرت سعد بن مالک بن ابی وقاص انصاری عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، ان دس حضرات میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب

سے پہلے تیر چلانے والے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو چھ حضرات کا بورڈ مقرر کیا تھا حضرت سعد بھی اس کے ممبر تھے، عراق آپ کی کمان میں فتح کیا گیا، حضرت عمر فاروق کی طرف سے آپ کوفہ کے گورنر تھے اور آپ ہی نے کوفہ بسایا تھا، آپ مشہور مستجاب الدعوۃ تھے، جب حضرت سعد حاضر ہوتے تو نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے: یہ ہمارے ماموں ہیں، کوئی شخص ہمیں (ان جیسا) اپنا ماموں تو دکھائے، تاریخ اسلام میں کسی مشرک کا پہلا خون جو بہایا گیا تو وہ ایک مشرک کا خون تھا جسے حضرت سعد نے اونٹ کا جبڑا مار کر زخمی کیا تھا، نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! جب سعد تیری بارگاہ میں دعا کریں تو ان کی دعا قبول فرما، تو آپ جو بھی دعا مانگتے تھے قبول ہوتی تھی، ۵۱ھ میں اور بعض علماء نے کہا کہ اس کے بعد آپ کی رحلت ہوئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲

۴۔ قعقاع ابن عمرو تمیمی حضرت عاصم کے بھائی تھے، شہرہ آفاق بہادر اور شہسوار تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لشکر میں قعقاع کی آواز ہزار مردوں سے بہتر ہے، نبی اکرم ﷺ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ نے جہاد کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور گھوڑا، فرمایا: یہ تیاری کی انتہا ہے، دمشق اور اکثر عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: وہ لشکر مغلوب نہیں ہوسکتا جس میں قعقاع ایسے لوگ موجود ہوں، نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے وقت حاضر تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے سب سے بڑے ہاتھی کا ہونٹ کاٹا تھا، جس کے بعد ایرانیوں کو شکست ہوئی ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲ (اصابہ کسی قدر تصرف کے ساتھ۔)

کیا تمہیں آزاد کر کے خود غلام بن جاؤں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو سو دینار دے کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا ــــــ اور فرمایا: اگر وہ تم سے قبول کر لیں تو تم آزاد ہو ــــــ غلام خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا ــــــ وہ اس خیال ہی سے مسرور ہوا جا رہا تھا کہ چند لمحوں کے بعد میری غلامی کا دور ختم ہو جائے گا اور میں بھی آزاد لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا ــــــ اس نے دینار لے جا کر حضرت ابوذر کی خدمت میں پیش کر دئے، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ــــــ غلام کو سخت دھچکا لگا، وہ بے ساختہ رونے لگا ــــــ اس نے منّت سماجت کرتے ہوئے عرض کیا: میرے آقا! میری درخواست ہے کہ آپ یہ دینار قبول فرمالیں ــــــ آپ کے قبول فرمانے کا مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ میں قیدِ بندگی سے رہا ہو جاؤں گا ــــــ اور آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو جاؤں گا۔

غلام کا خیال تھا کہ میرا دکھڑا سن کر حضرت ابوذر پسیج جائیں گے ــــــ اور دینار قبول کر لیں گے اور اس طرح مجھے آزادی کا پروانہ مل جائے گا ــــــ حضرت ابوذر کا دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ غلام آزاد کرنے کی فضیلت اور اس پر ملنے والا اجر و ثواب ہاتھ سے جانے دیں ــــــ لیکن انہیں انجام کار کا ڈر تھا ــــــ حکمرانوں کے تحائف قبول کرنے کے نتیجے کا خوف تھا ــــــ وہ جانتے تھے کہ حکمرانوں کے تحفے، حقیقت میں بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ہیں ــــــ اس لئے دینار قبول نہیں کئے ــــــ اور غلام کو فرمایا:

غلام! ان دیناروں کے قبول کرنے میں تمہاری آزادی اور میری غلامی مضمر

ہے—— کیا تمہیں آزادی دلا کر خود غلام بن جاؤں؟

غلام پلٹ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا—— اور تمام ماجرا ان کے گوش گزار کر دیا—— حضرت عثمان غنی پہلے ہی جانتے تھے کہ حضرت ابوذر حکمرانوں کے تحفے قبول نہیں کرتے۔

یہ تھے دور اول کے مسلمان، جو حکمرانوں اور ان کے تحائف سے گریز کرتے تھے —— اور زبان حال سے وہی کچھ کہتے تھے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گورنروں کو فرمایا کرتے تھے:

''تحائف سے بچو، کہ یہ خفیہ رشوت ہے۔''

(صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی —— بتصرفٍ)

۱۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ —— ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام جندب اور والد کا نام جنادہ ہے، مشہور صحابی ہیں، سچے اور کھرے لہجے والے اور زاہد تھے، نبی اکرم ﷺ کی معیت میں جہاد کیا، تنہا ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، لمبا قد، گندم گوں رنگ اور کمزور جسم رکھتے تھے، ربذہ میں سن ۳۱ھ میں وفات پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

عزت صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں ہے

جسے تقویٰ عزت نہ دے اس کی کوئی عزت نہیں ہے

امام شافعی (۱) رضی اللہ عنہ نے مصر تشریف لانے کے بعد سلسلۂ درس و تدریس شروع کیا—— تو ان کی شہرت ہر طرف پھیل گئی—— عوام و خواص دلی طور پر ان کا احترام کرنے لگے—— آپ کا ایک شاگرد تھا، جس کا نام عبداللہ بن عبدالحکم تھا—— اس نے دیکھا کہ میرے استاذ امام شافعی فقر کی زندگی گزار رہے ہیں—— مسجدوں میں گوشہ نشین رہتے ہیں—— اور حکمرانوں کے پاس آمد و رفت نہیں رکھتے—— اس نے عرض کیا: ابو عبداللہ! (امام شافعی کی کنیت) اگر آپ مصر میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کے پاس ایک سال کی خوراک ہونی چاہیے—— نیز سلطانِ وقت کی مجلس میں کبھی کبھار حاضری ضرور ہونی چاہیے، تا کہ آپ کی عزت میں شایان شان ترقی ہو۔

اس کا خیال تھا کہ امام شافعی میرا مشورہ قبول کرلیں گے—— اور میں انہیں شاہی دربار تک پہنچادوں گا—— لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو دستِ سوال صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پھیلاتے ہیں—— اُن علماء کی طرح سلاطین اور حکمرانوں کا قرب تلاش نہیں کرتے جو علمی امانت کے حامل نہیں ہوتے—— اور جن کی زندگی کا ماحصل ہی حکمرانوں کے مقربین کے دولت کدوں کا طواف، ان کی نگاہِ التفات کا حصول اور ان کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ کامل جانا ہوتا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا:

ابو محمد! جسے تقویٰ عزت نہ دے، اس کی کوئی عزت نہیں—— میں غزہ میں پیدا ہوا—— حجاز میں پرورش پائی—— حال یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک

رات کی خوراک نہیں ہوتی تھی ـــــــ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ہم نے بھو کے رات گزاری ہو۔

حکمرانوں کے دربار میں جانے کا مشورہ بھی مسترد کر دیا۔

یہ تھے پہلے دور کے قائد علماء ـــــــ وہ اللہ تعالیٰ سے غنا کی دولت مانگتے تھے اور قسمت پر راضی برضا رہتے تھے ـــــــ وہ صرف تقوای کے ذریعے عزت طلب کرتے تھے ـــــــ وہ حکمرانوں کے پاس فقط انہیں نصیحت کرنے یا ان کی راہنمائی یا لوگوں کی حاجت روائی کے لئے جاتے تھے ـــــــ ورنہ ان سے دور رہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عزت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے ـــــــ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ذلت ہی ذلت ہے۔

۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب عبد مناف پر جا کر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے، ۱۵۰ھ میں بحالت یتیمی پیدا ہوئے، پھر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر مکہ معظمہ منتقل ہو گئیں، نو عمری میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ ادب عربی اور شعر کا علم حاصل کیا، فصیح اللسان تھے، سفر کیا اور مدینہ منورہ میں مؤطا امام مالک یاد کیا، پھر تین دفعہ عراق کا سفر کیا، امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کی شاگردی اختیار کی اور ان کی کتابوں سے نفع حاصل کیا، پھر مصر چلے گئے اور وہیں ۲۰۴ھ میں وفات پائی، آپ کی املا کی ہوئی کتابوں میں کتاب الام اور الرسالۃ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲ فرفور۔ راقم الحروف اور سید وجاہت رسول قادری مدظلہ ۱۹۹۹ء میں جب قاہرہ گئے تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر بھی حاضر ہوئے۔ ان کے مزار کے احاطے ہی میں شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی مزار ہے۔ ۱۲ اشرف قادری۔

یہ تھے مسلمان حکمران

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز(۱) خلیفہ بنائے گئے تو شعراء کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا ـــــ جیسے شعراء کی عادت ہے کہ سلاطین اور حکمرانوں کے پاس جا کران کی شان میں قصائد پیش کرتے ہیں ـــــ تاکہ ان کا قرب حاصل کریں اور انعامات سے نوازے جائیں ـــــ کئی دن خلیفۂ وقت کے دروازے پر پڑے رہے، لیکن انہیں ملاقات کی اجازت نہ ملی ـــــ ایک دن رجاء بن حیوہ(۲) ان کے پاس سے گزرے ـــــ رجاء بڑے عالم تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وزیر اور خاص مصاحبین میں سے تھے ـــــ مشہور شاعر جریر نے انہیں دیکھا تو اٹھ کر ان کے پاس گیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

یَـا اَیُّهَـا الـرَّجُلُ الْـمُـرْخِی عِـمَـامَتَهٗ
هٰذَا زَمَـانُکَ فَـاسْتَـاْذِنْ لَنَـا عُمَـرَا

''اے اپنے عمامہ کا شملہ لٹکانے والے، یہ آپ کا وقت ہے، ہمیں عمر بن عبدالعزیز سے اجازت لے دیں۔''

رجاء حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس چلے گئے ـــــ لیکن شعراء کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔

پھر عدی بن ارطاۃ(۳) ان کے پاس سے گزرے ـــــ جریر نے انہیں کہا:

لَا تَـنْـسَ حَـاجَتَـنَـا لُقِّـیْـتَ مَغْفِـرَةً
قَـدْ طَـالَ مُـکْثِـیْ عَـنَ اَهْلِیْ وَاَوْطَانِیْ

جناب! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، ہمارا کام بھلا نہ دینا ـــــ مجھے اپنے

اہل وعیال اور وطن سے دور یہاں ٹھہرے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے۔

عدی حضرت عمر ثانی کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے:

امیر المؤمنین! شعراء آپ کے دروازے پر حاضر ہیں ـــــ ان کے تیز زہر میں بجھے ہوئے ہیں ـــــ اور ان کی زبانیں قینچی کی طرح چل رہی ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا: عدی! مجھے شعراء سے کیا غرض؟

عدی نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو عزت عطا فرمائے! ـــــ رسول اللہ ﷺ کی مدح کی گئی تو آپ نے انعام عطا فرمایا ـــــ آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین راہنمائی ہے۔

فرمایا: کس طرح؟

عدی: عباس بن مرداس سُلَمی (۴) نے نبی اکرم ﷺ کی نعت پڑھی تو آپ نے انہیں حُلّہ (دو چادروں کا سیٹ) عطا فرمایا ـــــ اور ان کی زبان کو مخالفت سے روک دیا۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا آپ کو ان کا کوئی شعر یاد ہے؟

عدی: جی ہاں!

رَاَیْتُکَ یَاخَیْرَ الْبَرِیَّۃِ کُلِّھَا
نَشَرْتَ کِتَابًا جَاءَ بِالْحَقِّ مُعْلِمًا

اے تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ! میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے ایسی کتاب پیش کی ہے جو حق کی خبر دینے والی ہے۔

شَرَعْتَ لَنَا دِیْنَ الْھُدٰی بَعْدَ جَوْرِنَا
عَنِ الْحَقِّ لَمَّا اَصْبَحَ الْحَقُّ مُظْلِمًا

آپ نے اس وقت ہمیں دینِ ہدایت عطا فرمایا جب حق مخفی ہو چکا تھا اور ہم راہ

حق سے دور جا چکے تھے۔

اَقَمْتَ سَبِیْلَ الْحَقِّ بَعْدَاعْوِجَاجِہٖ
وَکَانَ قَدِیْمًا رُکْنُہٗ قَدْتَھَدَّمَا

آپ نے راہِ حق کو ٹیڑھا ہونے کے بعد سیدھا کر دیا، اور اس کا ستون عرصہ دراز پہلے گر چکا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

عدی! خدا کے بندے ان میں سے دروازے پر کون ہے؟

عدی: فرزدق ہے۔(۵)

عمر بن عبدالعزیز: کیا یہ وہی شاعر نہیں ہے؟ جس نے کہا ہے:

ھُمَادَلَّیَانِیْ مِنْ ثَمَانِیْنَ قَامَۃً
کَمَا انْقَضَّ بَازٌ اَقْتَمُ الرِّیْشِ کَاسِرُہٗ

جیسے ہی سیاہ اور ٹوٹے ہوئے پروالا باز گرا تو ان دونوں نے مجھے اسی قدم کے فاصلے سے اطلاع دی۔

فَلَمَّا اسْتَوَتْ رِجْلَاہُ فِی الْاَرْضِ قَالَتَا
اَحَیٌّ فَیُرْجٰی اَمْ قَتِیْلٌ نُحَاذِرُہٗ

جب اس کی دونوں ٹانگیں زمین میں سیدھی ہوئیں تو دو عورتوں نے کہا کہ کیا وہ زندہ ہے؟ جس کی امید کی جائے یا مقتول ہے؟ کہ اس سے پرہیز کی جائے۔

عمر بن عبدالعزیز: اللہ کی قسم وہ میرے پاس نہیں آئے گا ——— اس کے علاوہ اور کون ہے؟

عدی: اخطل ہے۔(٦)

عمربن عبدالعزیز: عدی! یہ وہی ہے جس کے یہ اشعار ہیں:

وَلَسْتُ بِصَائِمٍ رَمْضَانَ طَوْعًا
وَلَسْتُ بِآكِلٍ لَحْمَ الْاَضَاحِیْ

میں خوشی سے رمضان کا روزہ نہیں رکھتا اور میں قربانیوں کا گوشت بھی نہیں کھاتا۔

وَلَسْتُ بِزَاجِرٍ عِيْسًا بُكُوْرًا
اِلٰی بَطْحَاءِ مَكَّةَ لِلنَّجَاحِ

میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جوان کنواری اونٹنیوں کو مکہ معظمہ کے میدان کی طرف ہانکنے والا نہیں ہوں۔

وَلَسْتُ بِقَائِمٍ بِاللَّيْلِ اَدْعُوْا
قُبَيْلَ الْفَجْرِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

میں رات کو قیام کرنے والا نہیں ہوں، جو فجر سے پہلے "حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" کہے (آؤ کامیابی کی طرف)۔

وَلٰكِنِّیْ سَاَشْرَبُهَا شَمُوْلًا
وَاَسْجُدُ عِنْدَ مُبْتَلَجِ الصَّبَاحِ

لیکن میں ٹھنڈی شراب پیوں گا اور صبح روشن ہونے کے وقت سجدہ کروں گا۔

عمربن عبدالعزیز: اللہ کی قسم! وہ میرے پاس نہیں آئے گا ـــــ وہ پکا کافر ہے ـــــ ان کے علاوہ دروازے پر کون ہے؟

عدی: احوص ہے۔(۷)

عمربن عبدالعزیز: کیا یہ شعر اسی کا نہیں ہے؟

اَللّٰهُ بَيْنِیْ وَبَيْنَ سَيِّدِهَا
يَفِرُّ مِنِّیْ بِهَا وَاَتَّبِعُهُ

اللہ تعالیٰ میرے اور کنیز کے مالک کے درمیان ہے، وہ مالک اسے لے کر مجھ سے بھاگتا ہے اور میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز: یہ بھی دوسرے شاعروں سے کم نہیں ہے ـــــ اس کے علاوہ کون ہے؟

عدی: جریر ہے۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا یہ وہی شاعر نہیں ہے؟ جو کہتا ہے:

طَرَقَتْکَ صَائِدَۃُ الْقُلُوْبِ وَلَیْسَ ذَا
وَقْتُ الزِّیَارَۃِ فَارْجِعِیْ بِسَلَام

دلوں کا شکار کرنے والی رات کے وقت تیرے پاس آئی، حالانکہ یہ زیارت کا وقت نہیں ہے ـــــ تو خیریت کے ساتھ واپس چلی جا۔

عمر بن عبدالعزیز: اگر کسی شاعر کو ضرور ہی ملاقات کا موقع دینا ہے تو جریر ہی کو بلالو۔

جب جریر حاضر ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

جریر! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ـــــ اور صرف حق بات کہو۔

جریر نے یہ اشعار پیش کیے:

اِنَّا لَنَرْجُوْ اِذَا مَا الْغَیْثُ اَخْلَفَنَا
مِنَ الْخَلِیْفَۃِ مَا نَرْجُوْ مِنَ الْمَطَرِ

جب بادل ہمیں پیچھے چھوڑ گئے تو ہمیں خلیفہ سے اسی نوازش کی امید ہے جس کی ہم بارش سے امید کرتے ہیں۔

نَالَ الْخِلَافَۃَ اَوْ کَانَتْ لَہٗ قَدَرًا
کَمَا اَتٰی رَبَّہٗ مُوْسٰی عَلٰی قَدَرِ

خلیفہ نے خلافت پالی یا خلافت ان کے لئے مقدر تھی، جس طرح تقدیر کے

مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

هٰذِی الْاَرَامِلُ قَدْ قَضَّیْتَ حَاجَتَهَا

فَمَنْ لِّحَاجَةِ هٰذَا الْاَرْمَلِ الذَّکَرِ؟

یہ نادار عورتیں ہیں جن کی حاجت آپ نے پوری کر دی ہے، تو اس نادار مرد کی حاجت کون پوری کرے گا؟

اَلْخَیْرُ مَادُمْتَ حَیًّا لَّا یُفَارِقُنَا

بُوْرِکْتَ یَا عُمَرَ الْخَیْرَاتِ مِنْ عُمَرٍ

جب تک آپ زندہ رہیں گے اس وقت تک بھلائی ہم سے جدا نہ ہوگی، اے نیکیوں کے عمر آپ کو طویل زندگی سے برکت دی جائے۔

جریر کا گمان تھا کہ عام حکمرانوں کی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی مدح سرائی پر گراں قدر انعام دیں گے ـــــ لیکن انہوں نے اس قصیدہ خوانی کو کوئی اہمیت نہ دی ـــــ وہ ان بادشاہوں کی طرح نہ تھے جو مال و دولت اور عہدے دے کر اپنی شان میں قصیدے لکھواتے ہیں ـــــ اور ضمیر فروش قسم کے لوگوں کے ضمیر خریدتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز: جریر! مجھے یہاں تمہارا کوئی حق دکھائی نہیں دیتا۔

جریر: امیر المؤمنین! آپ بجا فرماتے ہیں ـــــ لیکن میں مسافر بھی ہوں اور اپنے اہل وعیال سے دور بھی۔

عمر بن عبدالعزیز: بندۂ خدا جریر! ہمیں خلیفہ ضرور بنا دیا گیا ہے ـــــ لیکن ہماری ملکیت میں صرف تین سو درہم تھے ـــــ ان میں سے ایک سو عبداللہ (بیٹے) نے لے لئے ـــــ ایک سو اس کی والدہ نے لے لئے ہیں ـــــ اے لڑکے! جو سو درہم باقی ہیں وہ جریر کو دے دو۔

جریر نے سو درہم لے لئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ محبوب ترین مال ہے

جو میں نے حاصل کیا ہے۔

جریر باہر نکلے تو شعراء نے انہیں گھیر لیا ـــــ اور کہنے لگے کچھ اندر کا حال سناؤ۔

جریر: تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے ـــــ میں ایسے خلیفہ کے پاس سے آرہا ہوں جو فقیروں کو تو دیتے ہیں، لیکن شعراء کو نہیں دیتے ـــــ اور میں ان سے راضی ہوں ـــــ اور یہ شعر پڑھا:

رَاَیۡتُ رُقَی الشَّیۡطَانِ لَاتَسۡتَفِزُّہٗ
وَقَدۡ کَانَ شَیۡطَانِیۡ مِنَ الۡجِنِّ رَاقِیًا

میں نے دیکھا کہ شیطان کی پھونکیں انہیں کم وزن نہیں کرتیں ـــــ حالانکہ جنوں میں سے میرا شیطان بہت پھونکیں مارنے والا ہے۔

یہ تھے تاریخ اسلام کے دور اول کے سلاطین اور حکمران ـــــ جو مسلم اُمہ کا مال اسی کے فائدے کے لئے خرچ کرتے تھے ـــــ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے اہل و عیال کے خرچ کی قربانی دے دی ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بازپرس کے خوف سے مسلمانوں کے مال میں سے کچھ خرچ نہیں کیا ـــــ اس طرز عمل سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تھے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ان سے راضی کر دیا ـــــ حکمران اپنی رعایا کے جان و مال اور تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اللہ کی قسم! اگر کوفہ میں کسی بکری کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو اس کے بارے میں بھی عمر سے پوچھا جائے گا ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۱) عمر بن عبدالعزیز اُموی قریش کے اکابر تابعین میں سے ہیں، سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد خلیفہ بنائے گئے، انہوں نے لوگوں کے ساتھ بڑا عمدہ رویہ اختیار کیا اور اپنے نانا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ کر دی، خلافت سے پہلے وہ ناز و نعم میں پلے ہوئے جوان تھے، جب خلیفہ بنے تو خوش حالی کا

لباس اتار پھینکا اور دنیا کی عیش ولذت سے کنارہ کش ہو گئے، ۱۰۱ھ میں زہر خورانی کے نتیجے میں فوت ہوئے۔۱۲صفۃ الصفوۃ بتصرف۔

(۲) رجاء ابن حیوہ ابن جرول الکندی، اپنے زمانے میں اہل شام کے شیخ اور فصیح واعظ و عالم تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت وخلافت کے دوران ان کے مقربین میں سے تھے، انہوں نے ہی سلیمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات ہیں، ان کے دلی خیر خواہ تھے، ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۳) عدی بن ارطاۃ فزاری کی کنیت ابو واثلہ تھی، وہ اہل دمشق کے امیر تھے، بڑے بہادر اور دانش ور تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں ۹۹ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر کیا، ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۴) حضرت عباس بن مرداس سُلمی جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو ہیثم تھی، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں حاضر ہوئے، ان کے والد احد کے دن فوت ہوئے، انہوں نے دور جاہلیت میں شراب اپنے اوپر حرام کررکھی تھی، وہ مولفۃ القلوب میں سے تھے، بعد ازاں پکے سچے مسلمان بنے، بصرہ کے پاس ایک بستی میں مقیم تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔۱۲ اصابہ بتصرف۔

(۵) ابو ہمام فرزدق بن غالب تمیمی ۱۹ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، پیدائشی طور پر ہجو کے شاعر تھے، عمر بھر جریر کی ہجو کرتے رہے، آل مروان اور ان کے گورنروں کی مدح وستائش کرتے رہے، جب بوڑھے ہوگئے تو وفات سے پہلے توبہ کرلی اور درویشی اختیار کرلی، سو سال کی عمر پاکر ۱۱۰ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے۔

(۶) الأخطل: ابو مالک غیاث بن غوث تغلبی عربی عیسائی تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں پیدا ہوا، یہ بھی ہجو کا شاعر تھا، ۹۵ھ میں عیسائیت ہی پر مرا۔

(۷) الأحوص: عبداللہ بن عاصم انصری بنو ضبیعہ میں سے ہجو کے شاعر اور باوقار شخص تھے، جمیل بن معمر اور نصیب کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے، جریر اور فرزدق کے ہم عصر تھے، مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، دو آنکھوں کے پچھلے گوشے تنگ ہونے کی وجہ سے انہیں ''احوص'' کا لقب دیا گیا، ۱۰۵ھ دمشق میں فوت ہوئے، دیکھئے الأعلام للزرکلی۔

خلیفۂ وقت کی چادر

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے متقی پرہیز گار عالم رجاء ابن حیوہ کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک چادر کا کپڑا خرید کر لاؤ ــــــ رجاء ابن حیوہ چھ درہم کا کپڑا خرید کر لائے ــــــ حضرت عمر نے اسے چھو کر دیکھا تو فرمایا: اگر یہ ملائم نہ ہوتا تو میری پسند کے مطابق تھا ــــــ یہ سن کر رجاء کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: کیوں روتے ہو؟

کہنے لگے: امیر المؤمنین! اس سے پہلے آپ صرف امیر تھے، میں آپ کے پاس چھ سو درہم کا شفاف کپڑا خرید کر لایا تھا ــــــ آپ نے اسے چھو کر کہا تھا کہ کپڑا تو میری پسند کا ہے، لیکن اچھی طرح ملائم نہیں ہے ــــــ اور آج جب کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، آپ کے پاس چھ درہم کا کپڑا لایا ہوں تو آپ نے اسے چھو کر کہا ہے کہ کپڑا تو مجھے پسند ہے، لیکن یہ ملائم زیادہ ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا: رجا سنو! ــــــ میرا دل بھی پُر شوق ہے ــــــ میرا دل فاطمہ بنت عبدالملک کی طرف مائل ہوا تو میں نے اس سے نکاح کر لیا ــــــ میرا دل حکومت کا طلب گار ہوا تو مجھے حکمران بنا دیا گیا ــــــ میرے دل نے خلافت کی خواہش کی تو مجھے خلیفہ بنا دیا گیا ــــــ اب میرا دل جنت کے شوق سے سرشار ہے ــــــ اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں جنت بھی حاصل کر لوں گا۔

رجاء کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دے رہے تھے ــــــ میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان کے لباس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے ــــــ میں نے حساب لگایا تو پگڑی، جُبّہ، قمیص، شلوار، ٹوپی، اوڑھنے والی چادر اور موزوں

کی مجموعی قیمت بارہ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

اسلام کے دورِ اول میں حکمرانوں اور ان کے ہم پلّہ لوگوں کے لباس کا یہ حال تھا ——جب وہ دنیا کی چمک دمک سے بے تعلق ہو گئے تو عوام الناس بھی بے نیاز ہو گئے ——اور کیوں نہ ہو؟ مشہور ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ عوام اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ (ابن الجوزی——بتصرف)

تبصرہ:۔

اور جب امراء، وزراء اور اراکینِ اسمبلی فضول خرچی اور عیاشی میں مصروف ہوں گے تو عوام میں بھی چمک دمک کی ہوس پیدا ہوگی——اور جب وہ اپنی خواہشات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکیں گے تو کیا ہوگا؟——یہی ناں کہ چوری کریں گے، ڈاکہ ڈالیں گے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگا۔

انعامی بانڈ کی سکیم کا اعلان یہ کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار روپے کا انعامی بانڈ خریدیئے اور دو کروڑ روپے کا انعام حاصل کیجئے، یہ اعلان ہوسِ زر کے پٹرول کو آگ کی تیلی دکھانے کے مترادف ہے، جس کے پاس چالیس ہزار روپے نہ ہوں گے وہ کیا کرے گا؟——شرف قادری

اہل علم کی بے قدری

علم کے ضائع ہونے کا بڑا سبب ہے

حج کے موقع پر حضرت فضیل بن عیاض ﷺ کی ملاقات ہارون الرشید سے ہوئی ـــــ آپس میں پرلطف گفتگو ہوئی جس سے ہارون الرشید بہت خوش اور مانوس ہوا ـــــ ہارون الرشید اٹھ کر جانے لگا تو حضرت فضیل نے اسے ایک مفید نصیحت گوش گزار کرنے کا فیصلہ کیا ـــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء پر واجب فرمایا ہے کہ وہ حکمرانوں کو بطور خیر خواہی نصیحت کریں ـــــ اس لئے ان کے پاس نہ جائیں کہ ان سے جاہ و منصب، دنیا اور مال حاصل کریں ـــــ جیسے کہ آج کچھ ایسے لوگوں نے اسے حلال جان رکھا ہے جو علم کے دعویدار ہیں اور در حقیقت علم سے کوسوں دور ہیں۔

حضرت فضیل نے فرمایا:

امیر المؤمنین! مجھے خوف ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں علم ضائع ہو چکا ہے، اسی طرح آپ کی طرف بھی ضائع ہو چکا ہوگا۔

رشید نے کہا: جی ہاں! واقعہ یہی ہے۔

رشید نے یہ نصیحت پلّے باندھ لی ـــــ افعال حج ادا کر کے عراق پہنچا ـــــ تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ تمام شہروں اور فوجی کمانڈروں کو یہ آرڈر بھجوایا کہ علماء، ائمہ اور خطباء کے وظیفوں میں اضافہ کیا جائے ـــــ کیونکہ یہ حضرات امت مسلمہ کے چراغ ہیں ـــــ امت ان ہی سے ہدایت حاصل کرتی ہے ـــــ عام لوگ جس چیز کو بگاڑ دیتے ہیں، یہ حضرات ہی اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ رشید نے آرڈر جاری کیا:

❶ جو شخص تمہارے ہاں اذان دینے پر مامور ہو اسے ایک ہزار دینار وظیفہ دو۔

❷— جو شخص قرآن پاک یاد کرلے، پھر علم حاصل کرنے لگے اور علم و ادب کی مجلسوں کو آباد کرے، تو اسے دو ہزار دینار وظیفہ دو۔

❸— جو قرآن پاک کا حافظ ہو، حدیث روایت کرتا ہو اور علم میں فقاہت اور مہارت رکھتا ہو، اسے چار ہزار دینار وظیفہ دو۔

اس مقصد کے لئے موجودہ دور کے نامور علماء و فضلاء اور تجربہ کار حضرات امتحان لے کر گریڈ کا فیصلہ کریں —— تم علماء کی بات سنو اور ان کے حکم کی اطاعت کرو —— کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول مکرم کی اطاعت کرو اور اپنے امر والوں کی۔

اور امر والے وہ اہل علم ہی ہیں جو اپنی دعوت میں مخلص ہیں۔

جب یہ حکم نامہ فوجوں اور شہروں میں پہنچا اور عوام و خواص نے خلیفۂ وقت کے حکم پر عمل کیا تو عظیم علمی انقلاب برپا ہو گیا —— لوگ علم کی بدولت مالدار ہو گئے اور اسے کافی سمجھنے لگے —— عوام و خواص علمی سرچشموں سے خود بھی سیراب ہوتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے —— اور علم میں اس طرح دلچسپی لینے لگے جس طرح مالدار مال میں دلچسپی لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک حج کے موقع پر رشید کے ہمراہ تھے اور انہوں نے حضرت فضیل کی گفتگو بھی سنی تھی —— ان کا بیان ہے:

میں نے رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے زمانے کے

بعد رشید کے زمانے سے زیادہ عالم، قرآن پاک کے قاری، نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اور دین کی حرمتوں کے پاسبان نہیں دیکھے۔

آٹھ سال کی عمر کا بچہ قرآن پاک یاد کر لیتا تھا ـــــ گیارہ سال کا نوعمر بچہ فقہ اور علم میں مہارت حاصل کر لیتا تھا، حدیث روایت کرتا تھا، اور اپنے پاس ذخیرۂ حدیث جمع کر لیتا تھا ـــــ شعراء کے دیوان یاد کر لیتا تھا اور اساتذہ سے باقاعدہ بحث مباحثہ کرتا تھا ـــــ امت مسلمہ میں ایسا انقلاب بپا ہو گیا جس نے جہالت اور سستی کی چادر اتار پھینکی ـــــ خواب غفلت کا پردہ چاک کر دیا ـــــ علم اور اخلاق کی حکمرانی قائم ہو گئی ـــــ اس کے بعد مدارس قائم کئے گئے ـــــ اور ان کے منتظمین اکثر وبیشتر وہ علماء تھے جو سلطان کے کارندے تھے ـــــ انہوں نے ہمارے لئے ایسے زندہ و پائندہ نشانات چھوڑے جو آج بھی ان کے حق میں گواہی دے رہے ہیں ـــــ یہیں سے ملتِ اسلامیہ کا سنہرا دور شروع ہوا جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی ـــــ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حکمران رعایا کا لیڈر رہتا ہے، دوسرے لوگ اسی کے طریقے پر چلتے ہیں ـــــ اگر وہ درست ہو تو عوام بھی درست اور اگر وہ بگڑ جائے تو عوام بھی بگڑ جائیں گے۔

تبصرہ :۔ حضرت شیخ محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے، آج ہمارے مدارس کی زبوں حالی کسی واقفِ حال سے مخفی نہیں ہے، پرانے مدرسین تیزی سے رخصت ہو رہے ہیں اور نئے اساتذہ ضرورت سے بہت کم تیار ہو رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ دینی مدارس کے مدرسین کی بے قدری ہے، طلباء جب اساتذہ کی معاشی اور نفسیاتی کیفیت کا مطالعہ کرتے ہیں (اور یہ مطالعاتی حس ان میں بہت تیز ہوتی ہے) تو برملا کہتے ہیں کہ ہم مدرس نہیں بنیں گے۔ اگر مدرس بنیں گے تو ہمارا حشر بھی وہی ہو

گا جو ہمارے اساتذہ کا ہو رہا ہے۔ایک وقت وہ تھا جب وقت کے حکمران علم دین اور علماء کی قدر و منزلت کیا کرتے تھے، اس وقت امراء اور وزراء کے بیٹے بھی علم دین کی طرف راغب ہوا کرتے تھے، ارباب مدارس کی ذمہ داری ہے کہ اساتذہ کو بشرط گنجائش زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کریں تا کہ مدرسین کی نسل ختم ہونے سے بچ جائے اور نیا خون بھی اس شعبے کو میسر ہوتا رہے۔ایک دفعہ راقم نے حضرت استاذ الاساتذہ مولانا غلام رسول رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب ''تفہیم البخاری'' سے دریافت کیا کہ جو مدرسین مشاہرہ لے کر علوم دینیہ کی تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں انہیں بھی ثواب ملے گا؟ تو انہوں نے مدرسین کی معاشی حالت کے پیش نظر فرمایا: یہ ناممکن ہے کہ انہیں ثواب نہ ملے۔

یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ جس طبقے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اسی طرف عوام وخواص کا رجحان بڑھ جائے گا، ہمارا دین دار طبقہ نوازتا ہے: نعت خوانوں کو، قوالوں کو، خوش آواز خطیبوں کو، علم وعمل سے بیگانہ پیروں کو، با اثر سیاست دانوں کو اور ارباب اقتدار کو جب کہ ہماری حکومتیں نوازتی ہیں گلوکاروں، گلوکاراؤں، ایکٹروں، ایکٹرسوں، کھلاڑیوں، طبلچیوں، خوشامدیوں اور امریکہ کے پسندیدہ ادیبوں، قلم کاروں اور ایڈیٹروں کو ــــــ ہمارے عوام یا ارباب حکومت کو تحقیق اور محققین اور خاص طور پر دینی ریسرچ سکالروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، معاف کیجئے پھر اسی طبقے کے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں گے جن کو آپ نوازتے ہیں ایک وقت تھا کہ جامعہ ازہر میں ریسرچ کرنے والوں کو حکومت پاکستان ماہانہ پچاس ڈالر دیا کرتی تھی سنا ہے کہ اب خیر سے وہ بھی بند کر دئے ہیں۔۱۲ اشرف قادری

خلیفۂ وقت کی ہدایات
فوجی کمانڈر کے نام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کے لشکر کا کمانڈر بنا کر بھیجا تو انہیں حسبِ ذیل ہدایات دے کر روانہ کیا:

میں تمہیں اور تمہارے مجاہد ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا —— کیونکہ دشمن کے مقابل بہترین سامانِ جنگ اور جنگ میں کام آنے والا مؤثر ترین ہتھیار خوف خدا ہے —— میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ دشمن کی نسبت تم گناہوں سے زیادہ دور رہنا —— کیونکہ بہ نسبت دشمن کے تمہارے لئے گناہ زیادہ نقصان دہ ہیں —— مسلمانوں کو صرف اس لئے فتح وظفر سے ہمکنار کیا جاتا ہے کہ ان کے دشمن اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں —— اگر یہ بات نہ ہو تو ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکیں —— کیونکہ ہماری تعداد ان کی تعداد کے اور ہمارا سامانِ جنگ ان کے ساز وسامان کے برابر نہیں ہوتا —— اگر ہم نافرمانی میں ان کے برابر ہوں تو فتح ان کی ہونی چاہیے (کیونکہ وہ تعداد اور سامان میں زیادہ ہوتے ہیں) اور اگر ہم گناہوں سے دور ہوں تو ہم اپنی طاقت کی بنا پر نہیں بلکہ فرمانبرداری کی فضیلت کی بنا پر غالب ہوں گے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے سفر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر محافظ مقرر ہیں —— تم جو کچھ کرو گے وہ ان کے علم میں ہوگا —— تم ان سے شرماؤ —— اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں روانہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام نہ کرو۔ (نہایۃ الارب، بتصرف)

تبصرہ:

یہ تھے تاریخ اسلام کے دور اول کے حکمران ——— انہیں خطرہ رہتا تھا کہ کہیں مجاہدین اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں ——— اس لئے انہیں نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے ——— دیکھئے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کس طرح صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

تم محافظ فرشتوں سے شرماؤ ——— اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام نہ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں فرماتا، جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلے ——— نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت سب سے بڑی قوت ہے ——— اور اس کی نافرمانی شکست کا پروانہ ہے۔

دو جنتیں

ایک دفعہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی ——— سلطان نے طیش کے عالم میں کہہ دیا کہ: اگر ہارون الرشید جنتی نہیں ہے تو تمہیں طلاق ہے۔

ملکہ نے ہارون الرشید سے پردہ کرلیا ——— اور اس کے بعد اسے اپنا چہرہ تک نہ دکھایا ——— اس نے باور کرلیا کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے، لہذا پردہ ضروری ہے ——— ہارون الرشید نے فقہاء کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا ——— فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوگیا اور کوئی عالم بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا ——— کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی؟ ——— رشید نے مختلف شہروں کے علماء وفقہاء کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا ——— ان کی آراء بھی مختلف تھیں ——— وہ بھی ایسا متفق علیہ جواب پیش نہ کر سکے جس پر ہر کوئی بے ساختہ داد دیتا ——— البتہ ان میں سے ایک بزرگ خاموش تھے، انہوں نے گفتگو میں بالکل حصہ نہیں لیا ——— وہ مجلس کے آخر میں سر جھکائے خاموشی سے سن رہے تھے ——— وہ اپنے زمانے کے یکتا مجتہد امام لیث بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ (۱) تھے ——— ہارون الرشید نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

حضرت آپ بھی کچھ فرمائیں گے؟

انہوں نے فرمایا:

میں امیر المومنین سے تنہائی میں بات کروں گا۔

ہارون الرشید نے علماء کو انعام واکرام سے نواز کر رخصت کر دیا ——— پھر امام لیث بن سعد کو اپنے پاس بلا کر کہا:

استاذ! فرمائیے ——— آپ کیا فرماتے ہیں؟

استاذ! فرمایئے —— آپ کیا فرماتے ہیں؟

ہارون الرشید کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان سے کوئی ایسا فتویٰ مل جائے گا جو اس کی الجھن اور پریشانی کو دور کر دے گا۔

ہارون الرشید نے کہا: ارشاد فرمائیں!

لیث: مجھے جان کی امان ہے؟

ہارون الرشید: جی ہاں! —— امان ہے۔

حضرت لیث نے کہا: قرآن پاک لایا جائے —— قرآن پاک لایا گیا —— کہنے لگے: امیر المؤمنین! سورۃ الرحمٰن پڑھیے!

ہارون الرشید نے سورۃ الرحمٰن پڑھی —— جب اس آیت پر پہنچا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔(۲)

(اور اس شخص کے لئے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا)

امام لیث نے فرمایا: امیر المؤمنین! ٹھہر جائیں —— آپ کہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم!........... ہارون الرشید یک دم برہم ہو گیا —— اسے قسم اٹھانے کا مطالبہ بہت گراں گزرا۔

امام لیث نے کہا:

امیر المؤمنین! آپ جان کی امان دے چکے ہیں —— اور شرط کا پورا کرنا لازم ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے ڈرتا ہوں —— جب ہارون الرشید نے یہ کلمات کہے تو امام لیث نے فرطِ مسرت سے یہ اعلان کیا: امیر المؤمنین آپ کے لئے ایک جنت نہیں دو جنتیں ہیں —— کیونکہ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ '' اور اس شخص کے لئے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا۔

ہارون الرشید خوش ہو گیا ——— اور اس کی پریشانی دور ہو گئی ——— امام لیث کی ذکاوت نے اسے حیران کر دیا ——— پردوں کے پیچھے سے تالی کی آواز بلند ہوئی ——— ہارون الرشید نے امام کو کہا:

آپ نے شاندار فتوی دیا ہے ——— اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

انہیں انعامات اور طرح طرح کے کپڑوں سے مالا مال کر دیا ——— مصر کا علاقہ جیزہ انہیں الاٹ کر دیا ——— اور حکم جاری کر دیا کہ وہاں شرعی راہنمائی کا حق ان ہی کا ہو گا ——— ہارون الرشید کو سب سے زیادہ اس بات نے متاثر کیا کہ امام لیث نے کس لطافت سے حکم کا استنباط کیا؟ ——— پھر ان کے اس انداز نے بھی شادمان کیا کہ علماء کے سامنے خلیفہ سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا۔

علاوہ ازیں امام لیث محض ہارون الرشید کو بہلانے کیلئے فتوی دینا نہیں چاہتے تھے ——— بلکہ ایسا فتوی دینا چاہتے تھے جس سے وہ دلی طور پر مطمئن ہو ——— انہوں نے قرآن پاک سے اس نورانی علم کی روح کی بنیاد پر استنباط کیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے۔ (نہایۃ الارب)

تبصرہ:

یہ تھا تاریخ اسلام کا پہلا زمانہ ——— جب حکمران اور ارباب اقتدار پیکرِ اخلاص علماء کو اپنا مرجع، اچھا دوست، بندوں اور شہروں کے لئے دین و دنیا میں مفید امور کی مجلس شوریٰ کا ممبر بناتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے:

جب اللہ تعالیٰ کسی حکمران کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اچھے مشیر مقرر فرما دیتا ہے —— اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلاتے ہیں —— اور اگر یاد رکھے تو اس کی امداد کرتے ہیں —— اور جب کسی حکمران کی خرابی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے برے مُشیر مقرر فرما دیتا ہے —— اگر وہ یاد رکھتا ہے تو اسے بھلا دیتے ہیں —— اور اگر عمل کرتا ہے تو اس کی امداد نہیں کرتے۔

تبصرہ (۲)

آج کے بعد علماء اور مشائخ کی یہ حالت ہے کہ اگر اربابِ اقتدار انہیں مشیر یا وزیر بنا دیں یا کسی خصوصی کانفرنس میں بلالیں تو ان کی زبان سے ستائشی اور خوشامدی الفاظ اس روانی سے صادر ہوتے ہیں کہ سنجیدہ اہل علم کا سر بارِ ندامت سے جھک جاتا ہے اور عوام وخواص کی نگاہ میں علماء ومشائخ کا وزن اور وقار کم ہو جاتا ہے، ایسے حضرات سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھی جاسکتی کہ اگر حکمران بھول جائیں تو انہیں یاد دلا دیں گے اور اگر یاد رکھیں تو ان کی امداد کریں گے —— شرف قادری

۱۔ ابوالحارث لیث بن سعد عبدالرحمٰن الفهمی فقہ اور حدیث میں اہل مصر کے امام تھے، اصلاً خراسان کے تھے، قلقشند میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں وفات ہوئی، بڑے سخی اور کریم تھے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے، ۹۴ھ میں ولادت ۱۷۵ھ میں وفات پائی —— رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔ ۱۲ الاعلام للزرکلی۔

۲۔ سورۃ الرحمٰن: ۴۶/۵۵

ایک عالم ربانی کا دنیا کے ظالم ترین گورنر سے مکالمہ

میری ماں تم سے زیادہ جانتی تھی کہ میرا نام کیا ہے؟

حجاج بن یوسف کے زمانے میں حضرت سعید بن جبیر[1] رحمہ اللہ تعالیٰ افضل ترین تابعین میں سے تھے ـــــ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت نہیں کی تھی ـــــ اس کے گورنر حجاج نے دیکھا کہ سعید کے موقف میں کوئی لچک نہیں ہے ـــــ وہ کسی سے ڈر کر جھکنا جانتے ہی نہیں ہیں ـــــ اس نے چاہا کہ مال و دولت یا جاہ و منصب کی پیشکش کر کے کسی بھی طریقے سے حضرت سعید کا ضمیر خریدا جائے ـــــ اس نے ان کے سامنے موتی، زبرجد، یاقوت اور مرجان ایسے پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ـــــ اور دل میں سوچا کہ اب ہم انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں ـــــ اور اب وہ ہم سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے ـــــ اس کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کی دولت کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں ـــــ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی محبت کا شکار نہیں ہوتے ـــــ اور کسی حکومت کے خزانے میں اتنی دولت نہیں ہوتی کہ ان کے ضمیر خریدے جا سکیں ـــــ اس نے دیکھا کہ سعید نے ہیرے جواہرات کے ڈھیر کی طرف اس طرح حقارت سے دیکھا جس طرح کوئی بوڑھا چھوٹے بچے کے کھلونے کو دیکھتا ہے۔

حضرت سعید نے حجاج کے ساتھ جو گفتگو کی وہ گفتگو وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضورِ قلب حاصل ہو ـــــ اور وہ اس کے سوا کسی کی پروا نہ کرتا ہو۔

حجاج حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرے؟ ـــــ اور اس بزرگ کے دل کو اپنی دنیا کے جال سے کس طرح شکار کرے؟ ـــــ اس نے طاؤس و رباب طلب کئے

——اور گمان کیا کہ سعید کی روح سماع کی طرف مائل ہو گی——اور وہ ترنگ میں آجائیں گے——حضرت سعید نے جب آلات لہو وطرب کی آوازیں سنیں تو بے ساختہ رو پڑے۔

حجاج نے کہا: سعید! آپ کو کونسی چیز رُلا رہی ہے؟

حضرت سعید نے فرمایا: میرے رونے کا سبب غم اور خوف ہے——پھونک مارنے سے مجھے عظیم دن کی یاد آ گئی ہے——اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اور صور میں پھونک ماری جائے گی، تو زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی، سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ (محفوظ رکھنا) چاہے گا۔(۲)

حجاج کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیخ استقامت کا نادرِ روزگار نمونہ ہے——یہ تقویٰ و ورع اور موقف کی مضبوطی میں یگانہ ہے——اس نے سوچا کہ یہاں لالچ تو کارگر نہیں ہو سکا، انہیں خوف زدہ کر کے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

حجاج تمہارا نام کیا ہے؟

سعید سعید بن جبیر۔

حجاج تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری ماں بھی بد بخت ہے۔

سعید غیب جاننے والا تو نہیں، کوئی اور ہے۔

حجاج تم دنیا ہی میں ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں جاؤ گے۔

سعید اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھے خدا مان لیتا۔

حجاج محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید آپ نبی رحمت اور امام ہدایت ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حجاج علی (مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ــــــ وہ جنت میں ہیں یا آگ میں؟۔

سعید اگر میں جنت اور دوزخ میں گیا ہوتا اور وہاں کے لوگوں کو پہچانتا تو ضرور جان لیتا کہ جنتی کون ہے؟ اور دوزخی کون؟

حجاج خلفاء کرام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

حجاج تمہارے نزدیک ان میں سے کون زیادہ پسندیدہ ہے؟

سعید جو ان میں سے میرے خالق کو زیادہ پسند ہے۔

حجاج ان میں سے خالق کو زیادہ پسند کون ہے؟

سعید یہ وہی جانتا ہے جو ان کے رازوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے۔

حجاج مجھے یہ بات محبوب ہے کہ آپ مجھے سچ بیان کر دیں۔

سعید اگرچہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے پھر بھی میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔

حجاج کیا وجہ ہے؟ کہ تم اتنی گفتگو کے دوران ایک دفعہ بھی نہیں ہنسے۔

سعید مٹی سے پیدا کی ہوئی مخلوق کیسے ہنسے؟ جبکہ مٹی کو آگ کھا جائے گی۔

حجاج پھر ہم کیوں ہنستے ہیں؟

سعید تمام دل ایک جیسے نہیں ہوتے۔

حجاج سعید! تمہیں کس طریقے سے قتل کروں؟ــــــ تمہیں طریقۂ قتل کے انتخاب کا اختیار ہے۔

سعید حجاج! تم اپنے لئے قتل کا طریقہ منتخب کر لوــــــ اللہ کی قسم! تم مجھے جس طریقے سے بھی قتل کرو گے اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں اسی طریقے سے قتل کرے گا۔

حجاج کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں؟

سعید اگر معافی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی —— جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تمہارے لئے نہ براءت ہے اور نہ کوئی عذر۔

حجاج انہیں لے جاؤ اور قتل کر دو۔

اس کا خیال تھا کہ اس نے یہ حکم دے کر سعید کو دہشت زدہ کر دیا ہے —— لیکن ایسے لوگ غیر اللہ کے آگے جھکنا یا موت سے ڈرنا جانتے ہی نہیں ہیں —— وہ تو خلوت وجلوت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سعید باہر نکلے تو ہنس رہے تھے —— حجاج کو یہ اطلاع دی گئی تو اس نے انہیں واپس بلایا اور پوچھا کہ تمہیں ہنسی کیوں آئی؟

سعید مجھے اللہ تعالیٰ پر تیری جرأت اور تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب ہوا ہے۔

حجاج چمڑے کا بستر بچھاؤ اور اسے میرے سامنے ذبح کرو۔

سعید میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں —— وہ وحدہٗ لاشریک ہے —— اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول معظم ہیں —— میری یہ گواہی محفوظ کر لے یہاں تک کہ تو قیامت کے دن مجھ سے ملے۔

پھر سعید نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ دعا پھیلاتے ہوئے دعا مانگی:

اے اللہ! اسے میرے بعد کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہ دینا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حال میں ذبح کر دیا گیا کہ ان کی زبان ذکر الٰہی سے تر تھی —— اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا —— ان کے بعد حجاج بھی اسی سال مر گیا —— اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے بعد اسے کسی اور کو قتل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

کہتے ہیں کہ جب حجاج کا آخری وقت آیا تو وہ بے ہوش ہو جاتا تھا ــــــ جب ہوش میں آتا تو کہتا: میرا سعید بن جبیر کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ سوتا تو خواب میں حضرت سعید کو دیکھتا ــــــ وہ اس کے دائیں بائیں جانب سے کپڑوں کو پکڑ کر کہتے:

او دشمنِ خدا! تو نے مجھے کیوں قتل کیا ہے؟

حجاج دہشت زدہ ہو کر بیدار ہو جاتا اور کہتا:

جس شخص کو بھی میں نے قتل کیا، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دفعہ قتل کیا ــــــ لیکن سعید بن جبیر کے بدلے مجھے ستر مرتبہ قتل کیا۔

(وفیات الاعیان، کسی قدر تصرف کے ساتھ)

---

(۱) ابوعبداللہ سعید بن جبیر اسدی کوفی تابعی تھے، وہ اصل کے اعتبار سے حبشی اور بنواسد کی اولاد میں سے بنوالحارث کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے علم حاصل کیا، اہل کوفہ جب ابن عباس کے پاس فتویٰ حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے تو آپ فرماتے: تم مجھ سے سوال کرتے ہو؟ حالانکہ تم میں ابن ام حمام یعنی سعید موجود ہیں، ۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ھ میں شہید کئے گئے۔

(۲) سورۃ الزمر: ۳۹/۶۸

کمالِ عقل کمالِ مروت سے ہے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان کے شاگرد تمیم بن عدی یربوعی نے سوال کیا:

اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے!

آدمی کی عقل کس چیز سے مکمل ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: جب

1. وہ احسان کرنے میں پہل کرے۔
2. جس چیز کی خود اسے حاجت ہو وہ دوسروں کو بخش دے۔
3. دوسرے کی لغزش معاف کرے۔
4. احسان کا بدلہ احسان سے دے۔
5. معذرت کے مواقع سے بچے۔

تو اس کی عقل مکمل ہے۔

تمیم کہتے ہیں: مجھے ان کی بات بہت اچھی لگی ـــــ میں نے اسے یاد کرلیا اور پلّے باندھ لیا۔

تمیم کہتے ہیں: پھر کچھ دن کے بعد میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ سفر کیا ـــــ اور ہم ایسی جگہ اترے جہاں کھانے کے لئے کچھ میسر نہیں تھا، جسے کھا کر ہم سفر جاری رکھ سکتے ـــــ ابن عباس نے اپنے کارندے کو فرمایا: اس جنگل میں جاؤ ـــــ ممکن ہے وہاں تمہیں کوئی چرواہا مل جائے ـــــ اور اس سے کچھ کھانے پینے کا سامان مل جائے۔

کارندہ چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر چلا گیا —— دیر تک تلاش کرنے کے باوجود انہیں کوئی چرواہا نہ مل سکا —— البتہ دور سے ایک چھوٹا سا خیمہ دکھائی دیا —— وہاں پہنچے تو ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی —— اسے پوچھا کہ ہم کھانا خریدنا چاہتے ہیں، کیا آپ کے پاس مل جائے گا؟ —— اس نے کہا: میرے پاس کھانا تو ہے، لیکن وہ میرے اور میری اولاد کے لئے ہے —— بیچنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

ان سے پوچھا کہ آپ کی اولاد کہاں ہے؟ —— انہوں نے کہا وہ جانور چرانے گئے ہوئے ہیں —— ان کی واپسی کا وقت ہو چکا ہے —— وہ آیا ہی چاہتے ہیں۔

ان سے پوچھا کہ آپ نے ان کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ —— کہنے لگیں: میں نے ایک چھوٹی سی روٹی پکائی ہے —— وہ اپنے پاس رکھے ہوئے بچوں کا انتظار کر رہی ہوں —— کارندوں نے کہا: براہِ مہربانی آپ ہمیں آدھی روٹی ہی دے دیں —— اور دل میں سوچا کہ اگر پوری روٹی نہیں دیں گی تو ممکن ہے آدھی ہی دے دیں —— انہوں نے کہا آدھی نہیں، آپ پوری روٹی لے جائیں —— کارندے ان کی بات سن کر حیران رہ گئے —— اور انہیں یہ نکتہ سمجھ نہ آسکا کہ وہ آدھی کی بجائے پوری روٹی دینے پر کیوں تیار ہیں؟

آخر انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ بڑی اماں! آپ کے پاس صرف ایک روٹی ہے —— اس کے باوجود آپ آدھی کی بجائے پوری روٹی دینے پر کیوں آمادہ ہیں؟ —— انہوں نے کہا کہ آدھی روٹی دینا عیب ہے —— میں ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جو مجھے عیب لگائے —— میں فضیلت حاصل کرنے کے لئے سخاوت کرنا چاہتی ہوں —— لہذا پوری روٹی لے لو۔

ان کا تعجب اپنی انتہا کو پہنچ گیا —— اور انہیں یہ بوڑھی خاتون عظیم ترین دکھائی

دینے لگی ـــــ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ خاتون ملکہ ہے جو اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے ـــ اور اس کا خیمہ معمولی سا خیمہ نہیں بلکہ وسیع وعریض میدان میں سجا ہوا کسی تاجدار کا دربار ہے۔

وہ لوگ سراپا حیرت بنے ہوئے واپس ہوئے ـــــ بزرگ خاتون نے ان سے نہیں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ ـــــ یہ تھی اخلاق کی بلندی اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی شاندار مثال۔

کارندے حیرت کی تصویر بنے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ـــــ انہوں نے معمر خاتون کا پورا واقعہ بیان کر دیا کہ کس طرح انہوں نے آدھی روٹی دینے سے انکار کیا اور پوری دے دی ـــــ انہیں بھی تعجب ہوا ـــــ حکم دیا کہ اس محترم خاتون کو مکمل اعزاز اور احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ ـــــ وہ لوگ پھر اس بزرگ خاتون کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: ہمارے صاحب نے آپ کی سخاوت کا تذکرہ سنا ہے، اس لئے وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

کہنے لگیں: آپ کے صاحب کون ہیں؟ ـــــ انہیں بتایا: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں ـــــ تو کہنے لگیں: میں اس نام کو نہیں جانتی ـــــ انہیں بتایا گیا: ان کے والد حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔

کہنے لگیں: اللہ کی قسم! یہ بلند شرافت اور عظمت کی انتہائی اونچی چوٹی ہے۔

وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

کارندوں نے کہا: آپ کے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔

کہنے لگیں: اس ہاشمی نے وہ دولت ضائع کر دی جو اس کے چچا کے بیٹے نے اسے عطا کی تھی۔

پھر کہنے لگیں: اللہ کی قسم! اگر میں نے کوئی نیکی کی تھی تو میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گی —— کیونکہ یہ تو ہر انسان پر واجب ہے —— میں نے تو کوئی انوکھا کام نہیں کیا تھا۔

ان کی نظروں میں خاتون کی عزت اور وقار میں مزید اضافہ ہو گیا —— انہوں نے کہا: ابن عباس آپ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی گفتگو سننا چاہتے ہیں —— بزرگ خاتون نے کہا کہ میں ان کے پاس جاؤں گی —— کیونکہ میں خود نبی اکرم ﷺ کے خاندان کے فرد اور قریبی رشتے دار کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔

جب وہ بزرگ خاتون تشریف لائیں تو ابن عباس نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے پاس بٹھایا —— ان سے پوچھا کہ آپ کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں؟ —— کہنے لگیں: میرا تعلق قبیلۂ کلب سے ہے —— فرمایا: آپ کا کیا حال ہے؟ —— کہنے لگیں: دنیا کی کوئی خوشی ایسی نہیں ہے جو مجھے حاصل نہ ہوئی ہو —— اس وقت قناعت سے زندگی گزار رہی ہوں —— اپنے رشتے داروں کی حفاظت کر رہی ہوں —— اور مجھے توقع ہے کہ آج کل میں دنیا چھوڑ جاؤں گی۔

ابن عباس کو اس خاتون کی گفتگو بہت پسند آئی —— اور انہوں نے بچشم حیرت دیکھا کہ اس نے دنیا کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر کامل بھروسہ رکھتی ہے۔

فرمایا: یہ بتائیں کہ جب ہمارے کارندے روٹی لے کر آ گئے تھے تو آپ نے اپنے بیٹوں کی واپسی پر ان کے لئے کیا تیار کیا تھا؟

کہنے لگیں: میں نے ان کے لئے ایک عرب شاعر کا یہ شعر تیار کیا تھا:

وَلَقَدْ اَبِیْتُ عَلَی الطَّوٰی وَاَظَلُّهٗ
حَتّٰی اَنَالَ بِهٖ کَرِیْمَ الْمَاُکَلِ[1]

میں نے رات دن اپنے پیٹ کو لپیٹ کر رکھا —— تا کہ میں اس کے ذریعے بہترین کھانا حاصل کروں۔

بے آب و گیاہ جنگل میں رہنے والی خاتون کی بلند فکر اور اخلاق عالیہ کو دیکھ کر ابن عباس انگشت بدنداں رہ گئے۔

آپ نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس خاتون کے ساتھ ان کے خیمے میں جاؤ —— اور جب ان کے بیٹے آ جائیں تو انہیں بھی میرے پاس لے آؤ۔

خاتون نے غلام کو کہا: ہمارے صحن میں جاؤ —— تمہاری ملاقات میرے تین بیٹوں سے ہوگی۔

❶ —— ہمیشہ زمین کی طرف دیکھتا ہے —— وقار نے اس کے ارد گرد ہالہ بنایا ہوا ہے —— وہ فصیح گفتگو کرتا ہے —— اور جب کسی چیز کو طلب کرتا ہے تو اسے حاصل کر کے رہتا ہے۔

❷ —— تیز نظر والا ہے —— بڑا محتاط —— جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے —— اور اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے۔

❸ —— یوں ہے جیسے آگ کا شعلہ —— یا اس طرح ہے جیسے اس سے قتل کا انتقام طلب کیا جا رہا ہو —— وہ سخت موت ہے اور لا علاج بیماری۔

جب تم ان کی یہ صفت دیکھو تو انہیں میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میرے پاس پہنچ جاؤ —— غلام خیمے کے پاس گیا تو وہ تینوں مل گئے —— غلام نے

1۔ یہ حاتم طائی کے ایک قصیدے کا شعر ہے۔

انہیں پیغام دیا تو وہ تاخیر کئے بغیر حاضر ہو گئے ـــــ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں اپنے قریب بٹھایا، ان کی عزت افزائی کی اور فرمایا:

میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو صرف تمہارے احوال کی اصلاح اور تمہاری امداد کرنے کے لئے بلایا ہے۔

خاتون کے بیٹوں نے کہا: جناب احسان کرنے کی چند صورتیں ہی ہو سکتی ہیں:

❶ ـــ درخواست دی گئی ہو ـــــ اور ہماری طرف سے تو کوئی درخواست نہیں دی گئی۔

❷ ـــ کسی اچھے فعل کے بدلے کے طور پر ہو ـــــ جب کہ ہم نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ـــــ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ ہم پر واجب تھا ـــــ اور واجب کے ادا کرنے کا تو شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔

❸ ـــ آپ پہل کرتے ہوئے احسان فرما رہے ہوں ـــــ اگر ایسا ہے تو ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ آپ کی نیکی قبول و منظور فرمائے۔

ابن عباس نے فرمایا کہ انہیں سات ہزار درہم اور دس اونٹنیاں دی جائیں۔

خاتون نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے ایک ایک شعر کا نذرانہ پیش کرے۔

بڑے لڑکے نے کہا:

شَهِدْتُ عَلَيْکَ بِحُسْنِ الْمَقَالِ
وَصِدْقِ الْفِعَالِ وَطِيْبِ الْخَبَرْ

میں آپ کے بارے میں اچھی گفتگو، کردار کی سچائی اور شاندار خبر کی گواہی دیتا ہوں۔

درمیانے لڑکے نے کہا:

تَبَرَّعْتَ بِالْبَذْلِ قَبْلَ السُّؤَالْ

فَعَالَ كَرِيْمٍ عَظِيْمِ الْخَطَرْ

آپ نے مانگنے سے پہلے جودوعطا کی نہریں بہا کر عظیم الشان سخی کا کردار ادا کیا ہے۔

سب سے چھوٹے نے کہا:

وَحُقَّ لِمَنْ كَانَ ذَا فِعْلَهُ

بِأَنْ يَسْتَرِقَّ رِقَابَ الْبَشَرْ

جس کا یہ عظیم کردار ہو وہ اس لائق ہے کہ انسانوں کی گردنوں کا مالک ہو۔

خاتون نے کہا:

فَعَمَّرَكَ اللّٰهُ مِنْ مَّاجِدٍ

وَوُقِّيْتَ مَاعِشْتَ شَرَّ الْقَدَرْ

اللہ تعالیٰ آپ ایسے بزرگ کو عمر دراز عطا فرمائے، اور عمر بھر بری تقدیر سے محفوظ رکھے۔

پھر سب نے ابن عباس کو رخصت کیا اور خوشی خوشی واپس چلے گئے——وہ ان کے لئے ہر بھلائی کی دعا کر رہے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انتہائی دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تمیم کو فرمایا:

اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ کاش میرے پاس ان لوگوں کو دینے کے لئے کچھ اور مال ہوتا۔

انہیں اس بات کا صدمہ تھا کہ حسب خواہش ان کی خدمت نہ کر سکے ـــــــ اور ان کے حسنِ معاملہ کا اچھی طرح بدلہ نہ چکا سکے۔

تمیم نے عرض کیا:

آپ نے بڑا اچھا کام کیا اور ان کے معاملے سے بڑھ کر انہیں نوازا ہے ـــــــ آپ نے جو اس سے پہلے فرمایا تھا، آپ کے عمل نے اس کی تصدیق کر دی ہے ـــــــ واقعی آپ کی عقل سب لوگوں سے زیادہ کامل ہے اور آپ مروّت میں سب سے آگے ہیں۔

(وفیات الاعیان بتصرف)

تبصرہ :۔ مہمان نوازی، فراخ دلی، عالی ظرفی اور جود وسخا ان لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے جو تزکیۂ نفس کے مرحلے سے گزر کر اپنے دل کو کسی حد تک پاک کر چکے ہوں، ورنہ محض علم دماغ کو روشن کرتا ہے دل کو نہیں، یہی وجہ ہے کہ محض علم حاصل کرنے والے لوگ اخلاق عالیہ مثلاً حلم، تحمل، بردباری، اصاغر نوازی اور مہمان نوازی ایسے اوصاف سے عاری ہوتے ہیں۔ اقبال نے بجا کہا ہے:

؎ علم و حکمت از کتب دیں از نظر

ـــــــ شرف قادری

شاہِ حبشہ کا چشم کشا تبصرہ

ایک رات خلیفہ عباسی منصور نے عبداللہ بن علی، صالح بن علی اور کچھ دیگر افراد کو اپنے دربار میں طلب کیا ــــــ عبداللہ بن علی نے گزارش کی:

امیر المؤمنین! جب عبداللہ بن مروان بھاگ کر خطۂ حبشہ میں نوبہ کے شہروں کی طرف گیا تھا تو اس کے اور شاہ نوبہ کے درمیان عجیب ترین بات چیت ہوئی ــــــ جو مجھے بھول گئی ہے، اگر امیر المؤمنین پسند کریں تو اسے ہمارے سامنے بلائیں اور وہ بات پوچھیں جو مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

ابو جعفر منصور نے پیغام بھیج کر اسے بلایا۔

اس کے آنے پر کہا کہ تمہارے اور شاہِ نوبہ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟ ــــــ

اس نے کہا: امیر المؤمنین! جب میں یہاں سے بھاگا تو جو سامان میرے پاس باقی رہ گیا تھا وہ ساتھ لیتا گیا ــــــ جب ان کے علاقے میں داخل ہوا تو میں نے قالین بچھائے اور دوسرا سامان سیٹ کر دیا ــــــ وہاں کے لوگ آتے اور ساز و سامان کی سج دھج کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ــــــ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ کو بھی اطلاع پہنچ گئی ــــــ وہ خود چل کر آیا اور آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

شاہ حبشہ: تم پر شراب حرام ہے، اس کے باوجود تم شراب پیتے ہو؟

میں نے کہا: یہ کام ہمارے غلام اور ملازم اپنی جہالت کی بنا پر کرتے ہیں۔

شاہ حبشہ: تم ریشم اور دیبا پہنتے ہو اور سونے کے زیور پہنتے ہو، حالانکہ یہ سب چیزیں تم پر حرام ہیں۔

میں نے کہا: ہمارا اقتدار جاتا رہا، دولت ساتھ چھوڑ گئی ــــــ ہم نے عجمیوں سے مدد مانگی جو یہ چیزیں استعمال کرتے تھے ــــــ ہم نے بادل ناخواستہ ان کی مخالفت کو پسند نہیں کیا۔

شاہِ حبشہ کچھ دیر سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کرتا رہا۔۔۔۔۔اور زیرِ لب یہ بات دہراتا رہا کہ ہمارے غلام، ہمارے غلام اور عجمی لوگ ہمارے دین میں مداخلت کر رہے ہیں۔۔۔۔۔پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا: حقیقت وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو۔۔۔۔۔ بلکہ یہ ہے کہ تمہیں اقتدار ملا تو تم ظلم پیشہ بن گئے۔۔۔۔۔اور تمہیں جن کاموں کا حکم دیا گیا تھا تم نے اسے چھوڑ دیا۔۔۔۔۔اور جن چیزوں سے منع کیا گیا تھا تم ان کی طرف مائل ہو گئے۔۔۔۔۔تو اللہ تعالیٰ نے تم سے عزت چھین لی اور تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں لباسِ ذلت پہنا دیا۔۔۔۔۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے ایک عذاب ہے جو مکمل نہیں ہوا۔۔۔۔۔میں نہیں چاہتا کہ وہ عذاب میرے شہروں میں تم پر نازل ہو۔۔۔۔۔اس لئے تم یہاں سے چلتے بنو۔

ابو جعفر منصور اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں تو اس بستی پر حکم ثابت ہو جاتا ہے اور ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

تبصرہ:۔

اسی طرح حکمران جب اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی مخالفت کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ انہیں ذلت و خواری کا لباس پہنا دیتا ہے۔۔۔۔۔اور ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے شہروں کی بنیادیں اکھیڑ دیتا ہے اور ان کی چھتیں الٹا دیتا ہے۔

مروج الذھب۔۔۔۔۔مسعودی
مقدمہ۔۔۔۔۔ابن خلدون
الجرح والتعدیل۔۔۔۔۔بتصرف

باپ کے قاتل کا محافظ

جب خلافت بنو عباس کی طرف منتقل ہوئی تو بنوامیہ، عباسیوں سے ڈرتے ہوئے روپوش ہو گئے —— ان روپوش ہونے والوں میں ابراہیم بن سلیمان بھی تھا —— خلیفۂ سفاح کا ایک محافظ ابراہیم کا دوست تھا اس نے خلیفہ کے پاس ابراہیم کی سفارش کی —— خلیفہ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور اعزاز و اکرام سے نوازا۔

ایک دن سفاح نے اسے کہا: ابراہیم! مجھے وہ عجیب وغریب بات سناؤ جو تم نے روپوشی کے دنوں میں دیکھی —— ابراہیم نے کہا میں حیرہ کے ایک گھر میں چھپا ہوا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ سیاہ جھنڈے کوفہ کی طرف سے حیرہ کی طرف آرہے ہیں —— مجھے اپنی جان کی فکر لاحق ہوگئی اور میرے خوف میں یک دم اضافہ ہو گیا —— میں نے گمان کیا کہ وہ مجھے ہی گرفتار کرنے آرہے ہیں —— میں اپنی شکل تبدیل کر کے گھر سے باہر نکلا —— اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کہاں جاؤں اور کہاں روپوش ہوں؟ —— میں راستوں اور دروازوں کو دیکھ رہا تھا —— کہ اچانک میری نظر ایک بڑے دروازے پر پڑی —— میں اس میں داخل ہو گیا مجھے اس کے صحن میں ایک خوبصورت اور خوش اخلاق شخص دکھائی دیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: مجھے اپنی جان کا خوف ہے —— مجھے آپ کی پناہ چاہیے ——

اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے اہل خانہ کے کمرے کے ساتھ ایک کمرہ دکھا دیا ——

جاتا ——— وہ ہر دن فجر کے وقت سوار ہو کر گھر سے جاتا اور دوپہر سے پہلے واپس آجاتا، یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔

ایک دن میں نے اسے کہا کہ آپ ہر روز سوار ہو کر کہاں جاتے ہیں؟ ——— اس نے کہا کہ ابراہیم بن سلیمان بن عبدالملک نے میرے والد کو قتل کیا ہے ——— مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ حیرہ میں روپوش ہے ——— میں اس کی تلاش میں جاتا ہوں ——— ممکن ہے وہ مجھے مل جائے اور میں اس سے انتقام لے سکوں۔

امیرالمؤمنین! جب میں نے یہ بات سنی تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ——— دنیا میری نگاہوں میں تاریک ہوگئی ——— اور میں نے دل میں سوچا کہ میں نے خود موت کے کنوئیں میں چھلانگ لگائی ہے۔

میں نے تحقیق کی غرض سے پوچھا کہ آپ کا اور آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ ——— اس نے بتایا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ——— میں بری طرح جال میں پھنس گیا ہوں ——— اللہ کی قسم! میں نے طے کیا کہ میں صرف سچی بات کہوں گا ——— اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں نے کہا: جناب! میں آپ کا مہمان ہوں ——— آپ کا حق مجھ پر واجب ہے ——— اور آپ کے سامنے سچ بولنا بھی مجھ پر لازم ہے ——— آپ کے احسان کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کی مطلوبہ شخصیت کی نشاندہی کر دوں۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں ہی آپ کا مطلوب ہوں اور آپ مجھے ہی تلاش کر رہے ہیں ——— میں ابراہیم بن سلیمان ہوں اور آپ کے والد کا قاتل ——— آپ مجھ سے بدلہ لے لیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا: کہ یہ مجھ سے انتقام لے گا ـــــ اور مجھے قتل کر دے گا۔

لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے اور وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا ہے ـــــ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ بولے تو مجھے پتا چلے کہ اس نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ ـــــ میرا دل یہی کہہ رہا تھا کہ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا ـــــ اور مجھ سے اپنے باپ کا انتقام لے کر رہے گا۔

آخر خدا خدا کر کے وہ گویا ہوا اور اس کے چہرے سے عفو اور درگزر کے آثار دکھائی دینے لگے ـــــ کہنے لگا:

کیا آپ روپوشی اور اپنے اہل و عیال اور گھر کی دوری سے تنگ آ گئے ہیں اور مرنا چاہتے ہیں؟

میں نے کہا: جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سب کچھ سچ سچ آپ کے سامنے بیان کر دوں ـــــ میں نے آپ کے والد کو فلاں دن قتل کیا اور اس کی وجہ یہ تھی۔

اس نے میری گفتگو اور اپنے والد کا ذکر سنا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں ـــــ اس نے دیر تک سر جھکائے رکھا ـــــ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ میں نے اس شخص کو دشمن بنالیا ہے ـــــ اور خود اپنی موت کا اہتمام کیا ہے ـــــ میرے کان اس کی زبان سے نکلنے والے پہلے لفظ کو سننے کے لئے بے چین تھے ـــــ اس نے سر اٹھایا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

تم میرے والد سے عادل حاکم کے پاس ملاقات کرو گے وہ خود تم سے اپنا بدلہ لے لے گا ـــــ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے تمہیں پناہ دے رکھی ہے، اسے توڑ کر غداری نہیں کروں گا ـــــ ورنہ عرب مجھے گالی دیں گے اور کہیں گے اس کا ستیاناس! یہ

بڑا غدار ہے۔

لیکن یہ ضرور چاہوں گا کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ —— مجھے خوف ہے کہ کہیں شیطان مجھ پر غالب نہ آجائے اور میں وہ کام کر گزروں جو مجھے پسند نہیں ہے —— اس نے مجھے ایک ہزار دینار پیش کئے، جو میں نے نہیں لئے —— میں وہاں سے چل دیا اور اس کی جوانمردی کو یاد کرتا رہا —— اور آج تک میں اس شخص کی روح کی عظمت اور اس کی گھٹی میں رچی بسی عالی ظرفی کو خراج تحسین پیش کرتا رہتا ہوں۔

امیر المؤمنین! یہ ہے وہ عجیب ترین بات جو میری آنکھوں نے دیکھی۔

(نہایۃ الادب —— کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ: اربابِ کرم کی یہ روایت اور وضعداری ہے کہ جب کسی پر قابو پا لیتے ہیں تو اسے معاف کر دیتے ہیں —— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! قیامت کے دن مخلوق کا کون حساب لے گا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ اعرابی نے کہا: ربّ کعبہ کی قسم! پھر تو ہم نجات پا جائیں گے، فرمایا: کیسے؟ کہنے لگا: **لِاَنَّ الْکَرِیْمَ اِذَاقَدَرَ عَفَا** اس لئے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔(۱)

---

(۱) یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور فرمایا کہ اس کا ایک راوی محمد بن زکریا الغلابی متروک ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع ہے، لیکن یہ مشہور ہے صوفیہ میں، میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں یعنی نہ تو موضوع کہتا ہوں اور نہ ثابت، اس کی تائید ابن ابی الدنیا کی ایک مرسل روایت سے ہوتی ہے۔

کشف الخفاء للعجلونی۔(۱۱۰/۲) ۱۲ اشرف قادری

جج نے وزیر کی گواہی رد کر دی

وزراء کی عادت ہے کہ بادشاہوں کے سامنے جی حضوری سے کام لیتے ہیں ——— اگرچہ اندر سے ان کے مخالف ہی ہوں ——— ایسے لوگوں کے ہاں منافقت کا بازار چالو رہتا ہے ——— خلیفۂ عباسی ہارون الرشید کا وزیر فضل بن ربیع جب خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو اس نے خلیفہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کہا کہ جناب! میں تو آپ کا غلام ہوں ——— قاضی ابو یوسف نے بھی یہ بات سن لی۔

کچھ عرصہ کے بعد فضل بن ربیع ایک مقدمہ کے سلسلے میں بطور گواہ قاضی ابو یوسف (ا) کے پاس حاضر ہوئے ——— انہوں نے فضل کی وزارت، اور خلیفہ کی بارگاہ میں اس کے مقام اور تقرب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی گواہی رد کر دی ——— اس عظیم قاضی نے دوسرے قاضیوں (ججوں) کے برعکس خلیفہ یا اس کے وزیر کو راضی کرنے کے لئے اپنا ضمیر نہیں بیچا ——— بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق حکم جاری کیا ——— ان کا یہ طرز عمل شاعر کے ان اشعار کے مطابق تھا۔

دَعْ لِیْ ضَمِیْرِیْ لَسْتُ اَرْجُوْ بَیْعَهٗ

قُلْ لِیْ بِرَبِّکَ هَلْ یُسَامُ ضَمِیْرٗ

میرے ضمیر کو چھوڑ دو، میرا اسے بیچنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔

تم اپنے رب کی قسم کھا کر بتاؤ: کیا ضمیر کا بھی سودا کیا جا سکتا ہے؟

اِنَّ الْقُصُوْرَ وَفَوْقَهُنَّ قُصُوْرٗ

سُکَّانُهَا مَوْتٰی وَهُنَّ قُبُوْرٗ

بے شک محلوں پر محلات بنے ہوئے ہیں ——— لیکن ان کے رہنے والے

مردے ہیں اور وہ محلات قبریں ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اطلاع ملی کہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ابو یوسف نے اس کے وزیر فضل بن ربیع کی گواہی قبول نہیں کی، بلکہ رد کردی ہے ــــــ تو اس بات کا اس کے دل پر بڑا اثر ہوا ــــــ اور اس نے اس رویئے کو اپنی توہین قرار دیا۔

خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو عتاب کا نشانہ بناتے ہوئے کہا:

ابو یوسف! آپ جانتے ہیں کہ فضل بن ربیع میرا اہم وزیر اور مقرب ہے ــــــ اس کے باوجود آپ نے اس کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ رد کردی ــــــ ایسا کیوں ہوا؟

امام ابو یوسف مرعوب نہیں ہوئے ــــــ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا، ہر رضا سے فائق تھی۔

انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! میں نے اپنے کانوں سے انہیں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں ــــــ اگر وہ اپنی اس بات میں سچے ہیں اور واقعی آپ کے غلام ہیں تو غلام کی گواہی مقبول نہیں ہوتی ــــــ اور اگر وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں تو بھی ان کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے ــــــ کیونکہ ان کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے ــــــ انہوں نے آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے سے گریز نہیں کیا ــــــ تو میری مجلس میں بطریقِ اولیٰ جھوٹ سے گریز نہیں کریں گے ــــــ یہ وجہ تھی کہ میں نے ان کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ رد کردی ہے۔

امام ابو یوسف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ــــــ اور خلیفہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے ــــــ خلیفہ نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا، یہاں تک کہ حق اس پر منکشف ہو گیا ــــــ اس کا چہرہ جگمگا اٹھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی ــــــ اس نے امام ابو یوسف کی رائے کو درست قرار دیا ــــــ اور وزراء اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو

بتا دیا کہ بادشاہوں اور امراء کے پاس سچ بولنا چاہیے ـــــ جھوٹ اور خوشامد کو ترک کر دینا چاہیے جو منافقت کا ایک شعبہ ہے۔

تبصرہ:

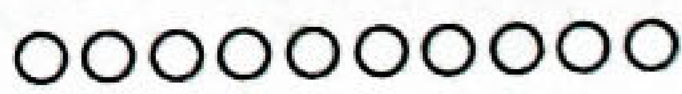
قاضی ابو یوسف نے وزیر کی گواہی رد کردی ـــــ وہ اس کے نفس کی تذلیل اور توہین کرنا چاہتے تھے ـــــ جس نے بہت سے قاضیوں (ججوں) اور امراء کی طرح بادشاہ کی بارگاہ میں حاصل ہونے والے فانی تقرب اور فانی دنیا حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

صاحب توفیق بادشاہ کی عظمت دیکھئے کہ اس نے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ـــــ اس نے وزیر کی خوشی یا ناخوشی کی پرواہ نہیں کی ـــــ نہ صرف قاضی کو برقرار رکھا، بلکہ وزیر کی گواہی کے رد کر دینے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ہارون الرشید نے آنے والے امراء اور وزراء کو صحیح سبق سکھا دیا ـــــ اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص اسے کہے کہ:

میرے آقا! میں تو آپ کا غلام ہوں۔

سلاطین اور جج ایسے ہی ہونے چاہئیں جو شریعت کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھیں ـــــ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کریں ـــــ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہ کرے۔



---

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

عالم ربانی خلیفہ وقت کی گرفت میں

جب مہدی خلافت عباسیہ پر مسلط ہوا تو سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ[1] نے اس کی بیعت نہیں کی ——— مہدی نے انہیں گرفتار کرنے کے لئے پولیس بھیجی تو وہ روپوش ہو گئے ——— اور طویل عرصہ تک غائب رہنے کے بعد آخر گرفتار ہو گئے ——— جب مہدی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے صرف السلام علیکم کہا جیسے عام لوگوں کو سلام دیا جاتا ہے ——— یہ نہیں کہا: السلام علیکم یا امیر المؤمنین! ——— کیونکہ وہ اسے خلافت کے لائق نہیں سمجھتے تھے ——— انہوں نے پولیس، فوج اور لاؤ لشکر کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔

مہدی اس طرز عمل کو برداشت کر گیا ——— اور سفیان ثوری کی طرف خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ متوجہ ہوا ——— اس پر ایذا رسانی کی نہیں بلکہ اعزاز و احترام کی علامتیں دکھائی دے رہی تھیں ——— اس نے سفیان ثوری کو عتاب کے لہجے میں خطاب کیا ——— اس کا گمان تھا کہ وہ انہیں مرعوب اور خوفزدہ کر دے گا ——— اس نے کہا:

سفیان! تم ہم سے بھاگتے تھے؟ ——— تمہارا یہ گمان تھا کہ اگر ہم تمہیں سزا دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے ——— الحمد للہ! اس وقت ہم تم پر غالب آ گئے ہیں ——— سفیان! تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم تمہیں اپنی خواہش کے مطابق سزا دیں گے؟

مہدی کا خیال تھا کہ اس کی دھمکی اور وعید سفیان کو جھکنے پر مجبور کر دے گی ——— اور وہ اسی مجلس میں خلیفہ کی بیعت اور اطاعت قبول کر لیں گے ——— لیکن سفیان ثوری کہاں جھکنے اور ضمیر فروشی کرنے والے تھے؟ ——— وہ خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کب تیار ہونے والے تھے؟

انہوں نے مخلوقات کی ناراضگی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دی ——— اور فیصلہ کیا کہ جان جاتی ہے تو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ لی جائے ——— انہوں نے مہدی کی طرف توجہ کی اور بلا خوف وخطر وہ بات کہہ دی جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں سنہری حروف میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا ہے ——— انہوں نے فرمایا:

اگر تو میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو بے شک کردے ———
لیکن یادرکھ عنقریب قادر و قیوم بادشاہ تیرے بارے میں فیصلہ صادر فرمائے گا
——— اور کھرے کھوٹے کو الگ الگ کردے گا۔

یہ سنتے ہی مہدی کے منافق حاشیہ برداروں کا پارہ چڑھ گیا ——— جو ہر وہ کام کر گزرتے ہیں جس سے شاہانِ وقت کا قرب حاصل کیا جاسکے، اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو ——— وہ سفیان کی جسارت، جرأتمندانہ اور تندوتیز جواب پر تلملا اٹھے۔

سفیان نے یہ عظیم جملہ اپنے منہ سے نکالا جوان کے دل کی قوت، حوصلے کی بلندی اور اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد کا اظہار کرتا ہے ——— ربیع اپنی تلوار پر ٹیک لگائے خلیفہ کے اس حکم کا منتظر تھا کہ سفیان کا سر قلم کردیا جائے ——— اس کا گمان یہ تھا کہ غیظ وغضب خلیفہ پر غالب آجائے گا اور وہ سفیان کا سر قلم کرنے کا حکم دے دے گا ——— یہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا:

امیر المؤمنین! اس جاہل کی یہ مجال ہے کہ آپ کے سامنے ایسی گفتگو کرے؟ ——— اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑادوں۔

لیکن مہدی سفیان کے قتل پر راضی نہ ہوا ——— کیونکہ وہ ان کے علم، اخلاص اور تقویٰ کو جانتا تھا ——— اور یہ بھی جانتا تھا کہ انہوں نے میری بیعت نہیں کی تو اس کی وجہ خواہش نفس یا دنیا یا نفس کا کوئی دوسرا مطالبہ نہیں ہے ——— بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہی بات ان

کے دل میں ڈال دی ہے —— مہدی نے ربیع کی طرف دیکھا اور کہا: چپ رہ! تیرے لئے بربادی ہو! یہ اور اس جیسے لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم انہیں قتل کر دیں —— ان کو سعادت مل جائے اور ہم بد بخت ہو جائیں —— اور ہماری بدبختی ان کی سعادت کا ذریعہ بن جائے۔

پھر مہدی نے کہا: ان کو یہ آرڈر لکھ کر دو کہ انہیں کوفہ کا قاضی (جج) اور گورنر مقرر کیا جاتا ہے —— کوئی شخص ان کے فیصلے پر اعتراض نہ کرے —— مہدی کا خیال تھا کہ جب امراء اور حکمرانوں کا معاملہ الجھن کا باعث بن رہا ہو تو ان کے ضمیر مال یا عہدہ دے کر خریدے جا سکتے ہیں —— اسی طرح اس نے سفیان کو کوفے کا قاضی مقرر کر کے خرید لیا ہے۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ صحیح علم اور ضمیر کی آواز پر عمل کرنے والے دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ چکے ہوتے ہیں، وہ کسی کے آگے نہیں جھکتے اور نہ ہی ان کے ضمیروں کو خریدا جا سکتا ہے —— ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی خوشی اور اختیار سے کسی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں۔

حکم نامہ لکھا گیا، اس پر مہر لگائی گئی اور سفیان کے سپرد کر دیا گیا —— انہوں نے حکم نامہ لیا، باہر نکلے اور اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا —— انہیں گورنر بننے سے دلچسپی تھی اور نہ جج بننے سے —— وہ مال کے طلب گار تھے اور نہ حکومت کے —— وہ بغداد اور بغداد والوں کو چھوڑ کر جدھر رخ ہوا چلے گئے —— خلیفہ نے ایک تیز رفتار شخص کو ان کے پیچھے بھیجا، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

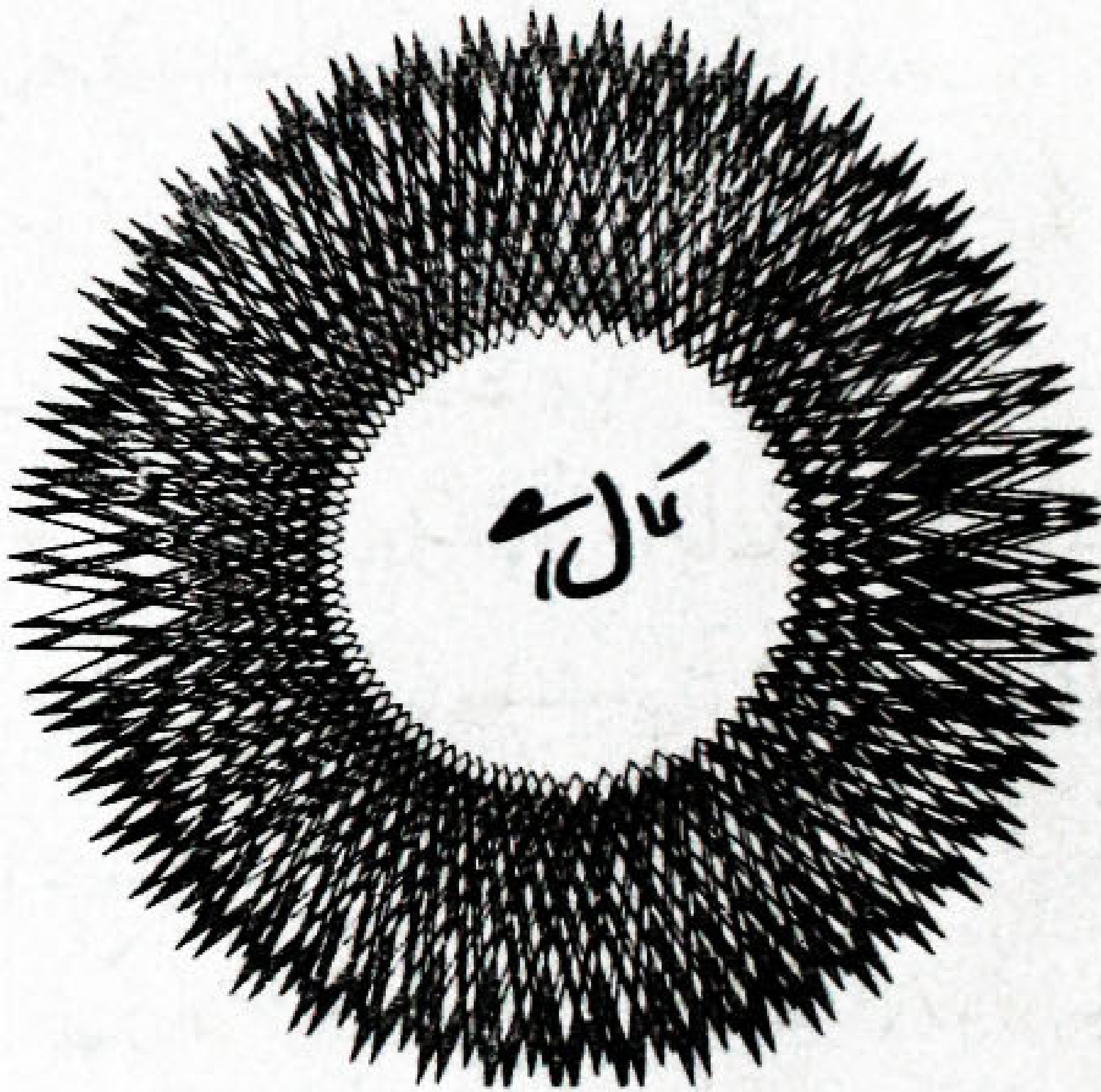
تبصرہ:

اللہ تعالیٰ پیکر اخلاص عالم سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے ——

انہوں نے سلاطین کو عملی درس دیئے جوان کی سچائی، زہد اور معرفت کی نشاندہی کرتے ہیں ——— اسی طرح علماء کو جرأت اور ثابت قدمی کا درس دیا اور بتادیا کہ مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ——— جیسے ارشاد ربانی ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۸/۶۳)

اور اللہ کے لئے عزت ہے اور اللہ کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے۔



(۱) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری، عبد مناۃ کی شاخ بنی ثور سے تھے، یہ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے اور دینی علوم اور تقویٰ میں اپنے زمانے والوں کے سردار تھے، کوفہ میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے، پھر مہدی نے انہیں طلب کیا تو روپوش ہو گئے اور بصرہ چلے گئے اور روپوشی کے عالم میں ہی فوت ہوئے، ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں رحلت فرمائی، رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔

امراء ...... علماء کی چوکھٹ پر

جب سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی زیارت کی ہو؟ —— تاکہ اس سے گفتگو کر کے سکونِ قلب حاصل کیا جائے —— اسے حضرت ابوحازم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نشاندہی کی گئی —— وہ نیک، پرہیزگار اور اسلاف کی نشانی تھے —— خلیفہ اپنے خدام سمیت ان کے گھر حاضر ہوا —— اور کچھ اس طرح گفتگو ہوئی۔

سلیمان: ابوحازم! کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں؟

ابوحازم: اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت برباد کر کے دنیا آباد کر لی ہے —— اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ تم آبادی کو چھوڑ کر ویرانے میں جانے سے گھبراتے ہو۔

سلیمان: ابوحازم! آپ نے سچ فرمایا —— یہ بتائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی کیا کیفیت ہو گی؟

ابوحازم: نیک آدمی کی حاضری تو اس طرح ہو گی جیسے کوئی مسافر اپنے گھر والوں کے پاس آجائے —— اور گنہگار کی حاضری اس طرح ہو گی جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس واپس آئے۔

سلیمان بری طرح رونے لگا، یہاں تک کہ اس کی آواز گلے میں پھنس گئی۔

سلیمان: ابوحازم! کاش ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے کیا ہے؟ —— اور قرآن پاک کی کس آیت سے یہ بات ہمیں معلوم ہو سکتی ہے؟

ابوحازم: یہ آیت مبارکہ پڑھئے:

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ وَّاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ (۸۳/۱۴-۱۳)

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

سلیمان: پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟

ابوحازم: نیکوکاروں کے قریب ہے۔

پھر سلیمان نے ارادہ کیا کہ حکماء کی حکمت سے متعلق مسائل کے بارے میں دریافت کرے۔

سلیمان: سب سے زیادہ احمق انسان کون ہے؟

ابوحازم: جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے فروخت کرے (یعنی آدمی اپنی آخرت تباہ کرے اور فائدہ کوئی دوسرا اٹھائے)

سلیمان: سب سے مقبول دعا کونسی ہے؟

ابوحازم: مظلوم کی دعا۔

سلیمان: سب سے اعلیٰ صدقہ کون سا ہے؟

ابوحازم: نادار کی کمائی سے دیا جانے والا صدقہ۔

پھر سلیمان نے چاہا کہ ابوحازم سے کوئی نصیحت سنے جسے وہ اپنے دل میں محفوظ رکھے۔

سلیمان: مجھے خصوصی نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: کچھ لوگ اہل ایمان کے مشورے اور ان کے اجماع کے بغیر زمامِ اقتدار ہاتھ میں لے لیتے ہیں ـــــ اور دنیا کے طلب کرنے کے لئے لوگوں کا ناحق خون بہاتے ہیں، پھر دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں ـــــ کاش کہ مجھے معلوم ہو کہ انہیں کیا کہا گیا اور انہوں نے کیا جواب دیا؟

ابوحازم نے سلیمان پر چوٹ کی کہ اس نے حقیقی بیعت کے بغیر اقتدار پر قبضہ

کرلیا ہے۔

شیخ نے جو بے باکانہ گفتگو کی اور سلیمان پر چوٹ کی تو اس کا ایک ہم نشین مشتعل ہو گیا ـــــ اور کہنے لگا:

شیخ تم نے بری بات کہی ہے۔

ابوحازم: تو نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ نے علماء سے حق گوئی کا عہد لیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ ان پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اثر انداز نہ ہو ـــــ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے:

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم یہ کتاب لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اسے پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑا سا ثمن (مال) خرید لیا، پس وہ بہت ہی برا ہے جو خریدتے تھے۔ (۱۸۷/۳)

سلیمان: ابوحازم! اقتدار کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ابوحازم: تم اسے جائز طریقے سے حاصل کرو اور اس کے اہل کے سپرد کرو۔

سلیمان: آپ ہماری دنیا حاصل کر سکتے ہیں اور ہم آپ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

ابوحازم: اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے محفوظ رکھے۔

سلیمان: کیوں؟

ابوحازم: مجھے خوف ہے کہ میں تمہاری طرف کچھ مائل ہو جاؤں ـــــ اور اللہ تعالیٰ مجھے دنیا اور موت کا ڈبل عذاب چکھائے۔

سلیمان: ابوحازم! مجھے نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: تم اس معاملے میں اللہ سے ڈرو کہ وہ تمہیں ایسی جگہ دیکھے جہاں سے تمہیں اس نے منع فرمایا ہے ـــــ یا ایسی جگہ غیر حاضر پائے جہاں اس نے تمہیں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

سلیمان: ابوحازم! ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں۔

ابوحازم: اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اسے دنیا و آخرت میں خیر کی خوشخبری عطا فرما ——— اور اگر تیرا دشمن ہے تو اس کی پیشانی پکڑ کر اسے خیر کے راستے پر لگا دے۔

سلیمان: ابوحازم! مجھے مزید نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: اگر تو اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تو تیرے لئے یہی کافی ہے ——— اور اگر تو اس کا دشمن ہے اور تجھے چلّے سے خالی کمان (قضا و قدر کا) سے تیر مارا گیا ہے تو میرا وعظ تجھے کیا فائدہ دے گا؟ ——— یعنی تو عمل بھی کرے گا تو تجھے فائدہ نہیں ہوگا۔

سلیمان: اپنے غلام کو حکم دے کر سو دینار منگواتا ہے اور ابوحازم کو پیش کرتا ہے۔

ابوحازم: نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔

تبصرہ:

دور اول کے سلاطین اور امراء کا یہ حال تھا ——— وہ پیکر صدق و اخلاص روحانی علماء کا قرب حاصل کرتے تھے ——— تاکہ ان کے دلوں کی خوشبوؤں اور ان کی عقلوں کے فیصلوں سے مستفید ہوں ——— وہ ایسے ارباب علم و اخلاص کو اپنا مقرب بناتے تھے جو جرأت مند بھی تھے اور عفت مآب بھی، وہ غیور بھی تھے اور خوددار بھی ——— تاکہ جب ارباب اقتدار خطا کریں تو انہیں یاددہانی کرائیں ——— اور جب راہ راست سے بھٹک جائیں تو انہیں سیدھا کر دیں۔

حضرت ابوحازم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھئے وہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کو

نصیحت کرتے ہیں ——— اور اس کا کوئی تحفہ قبول نہیں کرتے ——— انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں یہ تحفہ ان کی خالص نصیحت کا معاوضہ نہ بن جائے ——— یہ ربانی علماء جب بادشاہوں اور حکمرانوں سے ملتے تھے تو ریا کاری، چاپلوسی اور بے جا رعایت نہیں کرتے تھے ——— بلکہ انہیں خالص نصیحت کا تحفہ پیش کرتے تھے ——— حکمران اس وقت تک ترقی کرتے رہے۔ جب تک حکمران علماء کے دروازوں پر چل کر جاتے رہے ——— اور اسی میں حکمرانوں اور رعایا کی بھلائی ہے۔

تبصرہ (۲)

مشہور عربی مقولہ ہے:

بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ
وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ

وہ بُرا فقیر ہے جو امیر کے دروازے پر جائے اور وہ اچھا امیر ہے جو فقیر کے دروازے پر چل کر جائے۔

(قادری)

پیکرانِ اخلاص کے لئے خوشخبری

جب حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے دنیا سے کنارہ کشی اور بے تعلقی اختیار کی ـــــــ اور اپنے نفس کو حقائق کا خوگر بنالیا ـــــــ خودنمائی سے گریز کرتے ہوئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے ـــــــ تو انہوں نے عام آدمیوں جیسا لباس پہنا اور دمشق میں داخل ہو گئے ـــــــ مدرسہ سُمیساطیہ[۲] کے دروازے پر اجازت حاصل کرنے کے لئے بیٹھ گئے ـــــــ انہیں ایک فقیر نے اجازت دے دی ـــــــ امام غزالی نے از خود مدرسہ کے وضوخانے کی صفائی شروع کر دی۔

پھر جامع مسجد بنی اُمیہ میں داخل ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گئے ـــــــ انہوں نے دیکھا کہ علماء کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے ـــــــ اور ایک دیہاتی ان سے ایک مسئلہ دریافت کر رہا ہے ـــــــ کسی عالم نے اسے تسلی بخش جواب نہیں دیا ـــــــ امام غزالی یہ ساری صورت حال دیکھ رہے تھے ـــــــ چونکہ کسی عالم نے دیہاتی کو اس کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا اس لئے وہ سراپا حزن و ملال بنا ہوا تھا۔

امام غزالی نے جب دیکھا کہ دیہاتی کو جواب نہیں ملا اور وہ حیران و پریشان ہے ـــــــ تو انہیں احساس ہوا کہ اب ان پر فتویٰ دینا واجب ہے ـــــــ انہوں نے دیہاتی کو اس کے سوال کا جواب دے دیا ـــــــ لیکن دیہاتی نے امام غزالی کے معمولی کپڑوں کو دیکھا تو کہنے لگا: اگر بڑے بڑے مفتی میرے سوال کا جواب نہیں دے سکے تو بوسیدہ کپڑوں والا ایک معمولی فقیر میرے سوال کا کیا جواب دے گا؟

جو کچھ امام غزالی کہہ رہے تھے اسے مفتیانِ کرام دیکھ اور سن رہے تھے ـــــــ جب دیہاتی اپنی گفتگو سے فارغ ہو گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ اس عام سے فقیر

نے تمہیں علم کی کیا بات بتائی ہے؟۔

اس نے جب امام غزالی کا فتویٰ بیان کیا تو مفتیان عظام کی آنکھیں کھل گئیں ——— اور انہیں احساس ہوا کہ یہ تو اکابر علماء میں سے ہیں ——— اس کے ساتھ ہی ان کے دل میں القا ہوا کہ یہ حجۃ الاسلام امام غزالی کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا ——— وہ علماء آپ کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ایک مجلس علمی منعقد کریں تا کہ ہم آپ سے استفادہ کریں ——— امام غزالی نے ان شاءاللہ کہتے ہوئے ایک غیر معین دن کا وعدہ کیا ——— اور شہرت و ریاکاری سے بچنے کے لئے اسی رات وہاں سے کوچ کر گئے ——— پھر دمشق ہی کو چھوڑ گئے ——— وہ جس شہر میں بھی گزرے وہاں کے علماء کو یہ کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا: امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا ہے ——— انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے دل میں تکبر اور خود بینی پیدا نہ ہو جائے ——— اس طرح ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے ——— اور شیطان کا مقصد پورا ہو جائے گا ——— کیونکہ تکبر اور خود بینی علماء اور عبادت گزاروں کے اعمال کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اخلاص صاحبِ اخلاص کے جوہر کو صاف اور شفاف بنا دیتا ہے ——— اور اس کے نفس کو اس قدر پاکیزہ اور مطمئن بنا دیتا ہے کہ وہ جاہ و مال کی محبت میں مصروف نہیں ہوتا ——— جب تک اس میں جوہرِ اخلاص چمکتا رہتا ہے اس کی صفائی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

خوش خبری ہے اخلاص والوں کے لئے ——— بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

---

(۱) الغزالی: ابو حامد امام محمد بن محمد الطوسی، نیک اور غریب باپ کے گھر طوس میں پیدا

ہوئے، ۴۸۴ھ میں بغداد شریف آئے اور مدرسہ نظامیہ میں مسند تدریس (بلکہ منصب صدارت) پر فائز ہوئے، بہت سے علماء نے ان سے علمی استفادہ کیا، ان کا علمی فیض زمین کے اطراف میں پہنچا، ان کی تصانیف مفید اور بڑی تعداد میں ہیں، آخر میں تصوف کی طرف مائل ہوگئے اور تصوف کی متعدد کتب تحریر کیں۔ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کا نظام قدرت دیکھئے کہ جس سال امام غزالی دل برداشتہ ہوکر بغداد سے رخصت ہو رہے تھے اسی سال محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی بغداد میں وارد ہو رہے تھے، جنہوں نے صرف بغداد نہیں بلکہ عالمی سطح پر علمی، ایمانی اور روحانی انقلاب برپا کردیا۔۱۲ اشرف قادری)

(۲) سمیساطیہ یہ نسبت ہے ابوالقاسم علی بن محمد بن یحیی السلمی الجشی السمیساطی کی طرف، وہ دمشق کے بڑے رؤسا میں سے تھے، یہ مدرسہ جامع بنی امیہ کے پہلو میں تھا، اس کی تعمیر تین سو ہجری کے آخر میں ہوئی، علی بن محمد بن یحیٰی نے اس مدرسہ کو ۴۵۳ھ میں وقف کیا، اس میں محدثین، ماہرین فلکیات اور بہت سے علماء نے فرائض تدریس انجام دئے، اس وقت وہاں ''الجمعیة الغراء'' کا مدرسہ ہے۔۱۲ (الدارس التمیمی کسی قدر تصرف کے ساتھ۔)

امام اوزاعی کا تقویٰ

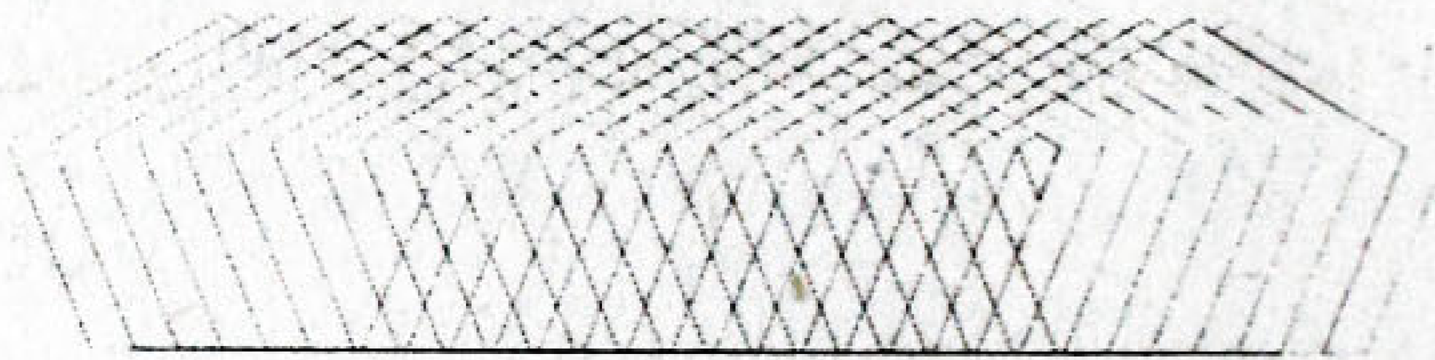
امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ[1] دمشق سے ساحل جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے ـــــ کچھ عرصہ بیروت میں قیام فرمایا ـــــ پھر ارادہ کیا کہ دمشق میں اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کر آئیں ـــــ چنانچہ اپنی جائے پیدائش **عُقیبہ** پہنچے اور اپنے بھائی کے پاس ٹھہرے ـــــ ایک شخص نے ان کی خدمت میں رات کا کھانا پیش کیا ـــــ اس دن امام اوزاعی نے روزہ رکھا ہوا تھا ـــــ جب ان کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا اور امام نے کھانا کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ـــــ تو میزبان نے کہا: جناب! تناول فرمائیں اور ہماری معذرت بھی قبول فرمائیں ـــــ کیونکہ آپ ہمارے پاس تنگ وقت میں تشریف لائے ہیں ـــــ اور ہم آپ کے شایانِ شان اہتمام نہیں کر سکے۔

امام اوزاعی نے ہاتھ اٹھالیا اور ایک لقمہ تک نہیں کھایا ـــــ میزبان اس انتظار میں رہا کہ آپ کھانا کھائیں گے ـــــ لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا ـــــ اس کے اصرار کے باوجود آپ نے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا ـــــ چنانچہ دستر خوان اٹھالیا گیا ـــــ میزبان نے دریافت کیا کہ جناب! آپ نے یہ رویّہ کیوں اختیار کیا؟ ـــــ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس صرف حلال مال تھا ـــــ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آپ کے بعد کوئی مال نہیں کمایا ـــــ امام اوزاعی خاموش رہے ـــــ پھر جب اس شخص نے زیادہ اصرار کیا اور آپ نے دیکھا کہ جواب دیئے بغیر چارہ نہیں ـــــ تو فرمایا: میں وہ کھانا نہیں کھا سکتا جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کم ادا کیا گیا ہو یا جس پر سرے سے شکر کیا ہی نہ گیا ہو۔

تبصرہ:

ہمیں یہ لائق نہیں کہ ہم ضیافت کے کھانے کو اپنی نگاہوں میں قلیل جانیں ——— اور مہمان کے سامنے کھانے کی قلت کی معذرت کریں ——— کیونکہ کھانا اگرچہ کم ہو، تاہم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے ——— اور ہم پر اس کا احترام اور شکر واجب ہے۔

(الجرح والتعدیل ——— امام ابو حاتم رازی ——— کسی قدر تصرف کے ساتھ)



(۱) ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد اوزاعی، اہل شام کے امام، شام میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا، کہا گیا ہے کہ انہوں نے ساٹھ ہزار سوالات کے جوابات دیئے، بیروت میں قیام پذیر رہے، سفیان ثوری نے ان سے روایت کی، عبداللہ ابن مبارک نے ان سے استفادہ کیا، بعلبک میں پیدا ہوئے۔ پھر شام کی بستی عُقیبہ میں چلے گئے، اس کے بعد بقاع چلے گئے، بعد ازاں ان کی والدہ انہیں بیروت لے گئیں، وہیں ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ ۱۲

(وفیات الاعیان۔)

حکمت و دانش

بنو امیہ کے ایک امیر نے ایک تابعی کو کہا:

کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟—— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امر والوں کی۔

تابعی نے فرمایا:

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک نہیں کر دی؟—— جب تم نے حق کی مخالفت کی ہے تو تمہاری اطاعت کا کیا مطلب؟(۱)—— اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ

(سورۃ النساء:۵۹/۴)

پس اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو معاملے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا واجب ہے—— نہ کہ خود ساختہ قوانین اور نظاموں کی

طرف ـــــــ کیونکہ ان نظاموں کے بنانے والے انسان ہیں ـــــــ اور ہوسکتا ہے کہ ان کے بنانے میں غلطی کر جائیں ـــــــ جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ غلطی نہیں کرتے۔

ابن قیم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اُولِی الْاَمْر (امر والے) سے مراد علماء ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا:

تحقیق یہ ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت اس وقت کی جائے گی جب وہ شریعت اور علم کے مقتضا کے مطابق حکم دیں گے ـــــــ اس وقت ان کی اطاعت علماء کی تبعیت میں فرض ہے ـــــــ تو جس طرح علماء کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہے ـــــــ اسی طرح حکمرانوں کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے ـــــــ کیونکہ یہ علماء ہی ہیں جو حق کو جانتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے اسے حکمرانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(زاد المعاد۔ بتصرف)

حضرت فاروق اعظم کی دانشمندانہ وصیتیں

۱۔ جو شخص اپنا راز چھپا کر رکھتا ہے، اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

۲۔ سب سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کی معذرت قبول کرتا ہے۔

۳۔ دراہم اپنی گردنیں ظاہر کئے بغیر نہیں رہتے (یعنی روپیہ پیسہ اپنے آپ کو ظاہر کر کے رہتا ہے۔)

۴۔ کسی شخص کے اخلاق پر اعتماد کرنے سے پہلے اسے غصے کی حالت میں آزما لو۔

۵۔ کوئی بھی شخص تکبر اسی وقت کرتا ہے جب اسے اپنی کسی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔

۶۔ حرکت کا ترک کرنا غفلت ہے۔ (یعنی آدمی کو ہر دم متحرک رہنا چاہیے)

۷۔ بہت دفعہ ایک نظر شہوت کا بیج بو دیتی ہے —— اور ایک گھڑی کی شہوت طویل غم کا باعث بنتی ہے۔

۸۔ عقل مند وہ نہیں ہے جو خیر اور شرّ کے درمیان فرق کو جانتا ہو —— عقل مند وہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ ادنیٰ درجے کا شرّ کونسا ہے؟

۹۔ میں تمہیں بیکار رہنے کے نتیجے سے ڈراتا ہوں —— کیونکہ یہ ناپسندیدہ امور کے جمع کرنے میں نشے سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

۱۰۔ جس میں تین خصلتیں نہ ہوں اسے ایمان بھی فائدہ نہیں دیتا —— (۱) وہ حوصلہ ہے جس کے ذریعے جاہلوں کی جہالت کو رد کیا جائے —— (۲) وہ پرہیز گاری ہے جو اسے حرام کاموں سے روکے۔ (۳) وہ اخلاق ہیں جن کے ذریعے لوگوں سے اچھی طرح پیش آئے۔

۱۱۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو فرمایا: اپنے نسب کو سامنے رکھو، تم اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرو گے —— جو اچھے اشعار یاد نہیں کرتا وہ کوئی حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ادب کا اعتراف کرے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی
اور میدانِ جنگ میں طلبِ علم

[یہ وہ مقام ہے جہاں کسی نے حدیث نہیں سنی]

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقولہ ہے ——— وہ علم کے محبّ بھی تھے اور طالب بھی ——— وہ حالتِ جنگ میں صفوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے بھی علماء سے حدیث شریف سنا کرتے تھے ——— اور مذکورہ بالا مقولہ دہرایا کرتے تھے ——— وہ اس پر فخر کیا کرتے تھے ——— اور اپنی اولاد کو علم کے طلب کرنے اور حدیث شریف کے یاد کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے ——— یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ علماء سے دین کا فہم حاصل کرنے اور ان کے اخلاق کی اقتدا کرنے کے لئے ان کی مجلسوں میں حاضر بھی ہوا کرتے تھے ——— یہ حال تھا صاحبِ حطّین، عیسائیوں کے حملوں کا منہ توڑ جواب دینے والے سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ اَرْضَاہُ۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ حدیث سننے کے لئے عظیم عالم، محدث کبیر ابو طاہر سلفی (۱) رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں (اسکندریہ) حاضر ہوئے ——— اپنے بیٹوں کے ہمراہ ان کے سامنے بیٹھے ——— تاکہ بادشاہوں اور عوام کو علم اور علماء کی تعظیم اور ان سے فیض حاصل کرنے کا ادب سکھائیں۔

اس عظیم بادشاہ نے اسکندریہ کے عالم اور جلیل القدر محدث ابو طاہر سلفی سے صرف علم حاصل نہیں کیا بلکہ ان سے اجازت بھی طلب کی، نامور محدث نے انہیں اجازت عطا فرمائی ——— سلطان دوسرے بادشاہوں اور امراء پر فخر کرتے تھے کہ میں نے علماء کی خدمت کی اور ان سے علم حاصل کیا ——— اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے راویوں سے

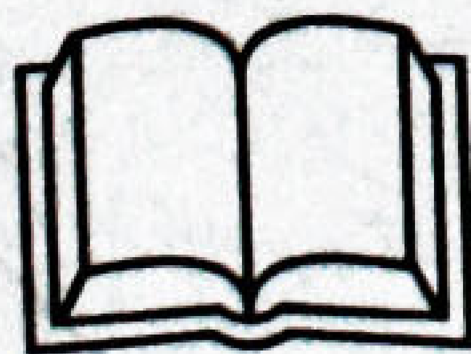
خدمت کی اوران سے علم حاصل کیا——اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے راویوں سے استفادہ کیا ہے۔

(وفیات الاعیان—— کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ:

ماضی کے عظیم سلاطین، حکمرانوں اور بادشاہوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ علماء کے دروازوں پر حاضر ہوتے تھے——اور ان کے سامنے شاگردوں کی صف میں بیٹھتے تھے——تاکہ اپنے آپ کو علم کے طلباء اور رسول اعظم ﷺ کی حدیث کے روایت کرنے والوں کے گروہ میں شامل کر سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حکمران اور بادشاہ دین دار عالم ہو اور اہل علم کے پاس آمد و رفت رکھتا ہو تو عوام اس سے انتہائی محبت رکھیں گے اور اس کی بہت فرمانبرداری کریں گے——اور جب وہ علم اور اہل علم سے دور ہو تو رعایا کے دل اور ان کی روحیں اس سے دور ہوں گی——وہ عوام کی اطاعت اور فرماں برداری سے محروم کر دیا جائے گا——کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے۔



---

(۱) شیخ الاسلام عماد الدین حافظ احمد بن محمد بن سِلَفہ (سین کے نیچے زیر اور لام پر زبر) اصبھانی جرواءانی ۴۷۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔

(دیکھئے: طبقات الحفاظ للذھبی ج ۴ ص ۱۲۹۸——اور الاعلام للزرکلی۔)

یا علم یا جسمانی راحت

ابوالحسن علی بن ابراہیم رازی خطیب نے الجرح والتعدیل اور علوم الحدیث کے مصنف عبدالرحمٰن بن محمد رازی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا:

عبدالرحمٰن علماء اور مشائخ سے علم حاصل کرنے کے لئے شام، مصر، اسکندریہ اور بغداد گئے ——— ان کا بیان ہے کہ ہمارے سات ماہ اس طرح گزرے کہ ہم نے شوربے کی ایک بوند نہیں چکھی ——— دن کے وقت علماء اور اساتذہ کی خدمت میں حاضری دیتے ——— رات کے وقت کتابیں نقل کرتے اور ان کا اصل کے ساتھ مقابلہ کرتے ——— ایک دن میں اور میرا ساتھی ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوئے ——— ہمیں بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں ——— ہمیں ان کے گھر کے پہلو میں مچھلی فروش کے پاس ایک مچھلی دکھائی دی جو ہمیں بہت پسند آئی ——— ہم نے وہ مچھلی خرید لی ——— جب گھر پہنچے اور اسے بھوننے کا ارادہ کیا تو ایک استاذ ہماری مجلس میں تشریف لے آئے ——— ہم نے مچھلی اسی طرح چھوڑ دی اور استاذ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ——— تین دن اسی طرح گزر گئے ——— ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مچھلی خراب ہی نہ ہو جائے ——— ہم چونکہ علم حاصل کرنے میں مصروف تھے اور قیمتی اوقات کو علم ہی کے لئے صرف کرنا چاہتے تھے ——— اس لئے ہمیں اسے بھوننے کا موقع نہ مل سکا چنانچہ ہم نے کچی ہی کھا لی۔

اس جگہ شیخ محدث عبدالرحمٰن رازی نے تاریخی جملہ کہا، جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا ——— انہوں نے فرمایا:

''جسمانی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''

تبصرہ:

طالب علم پر واجب ہے کہ اپنا وقت علم حاصل کرنے میں صرف کرے ـــــ اگر چہ اسے استراحت کا وقت کم ملے ـــــ کیونکہ وہ شخص علم حاصل نہیں کرسکتا جس کا مقصدِ زندگی کھانا، پینا اور لباس ہو ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ ۲۰/۱۱۴)

اور اے حبیب! آپ دعا مانگیں کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

(الجرح والتعدیل ـــــ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ (۲):

ہم نے اپنے اساتذہ اور ان کے اساتذہ کے بارے میں پڑھا ہے کہ انہوں نے انتہائی کس مپرسی اور محنت ومشقت کے ساتھ علم حاصل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کے امام بنے، مولانا فضل امام خیر آبادی نے اپنے بیٹے علامہ فضل حق خیر آبادی کو نصیحت کرتے ہوئے بتایا تھا: ؎

درازیٔ شب از مژگانِ من پُرس
کہ یک دم خواب در چشم نگشت است

رات کی لمبائی میری پلکوں سے پوچھو کہ ایک لمحے کے لئے نیند میری آنکھوں میں نہیں آئی۔

ماضی کے مقابلے میں آج سہولتیں زیادہ ہیں، لیکن علم اسی تناسب سے کم ہو گیا ہے۔ (شرف قادری)

مسلمان کا تشخص ممتاز ہونا چاہیے

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فوج اور فوجی کمانڈروں کو خصوصی نصیحتیں بھیج کر ان کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے ——— اور یہ نصیحتیں فوجیوں کے لئے بہترین ذخیرہ ہوا کرتی تھیں۔

آپ نے دیکھا کہ عربوں نے روم اور ایران کے علاقے فتح کر لئے ہیں ——— اور دعوت کا جھنڈا اٹھائے دنیا کے کناروں تک اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں ——— انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ زاہدانہ انداز اور دنیا سے بے رغبتی ترک کر کے عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہو جائیں ——— کہیں ایسا نہ ہو کہ عجمیوں کے اخلاق و عادات اپنا لیں اور ان کے کپڑے پہننے لگیں ——— اور خود بھی ان جیسے ہو جائیں ——— قوموں میں کمزوری اس وقت جڑ پکڑتی ہے، جب وہ دوسری قوموں کی تقلید کرنے لگتی ہیں ——— لباس، عادت اور زبان میں ان کی پیروی کرنے لگتی ہیں ——— نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیروی کرنے والوں کی شخصیت مقتداؤں کے درمیان پگھل جاتی ہے ——— اور چونکہ ان کی شخصیت تقلید کی کٹھالی میں پگھل جاتی ہے اس لئے ان کی ثقافت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ مسلمان عرب اپنی ان عادات اور روایات کا تحفظ کریں جن میں انہوں نے اپنے شہروں میں نشو و نما پائی ہے اور اسلام نے انہیں پاکیزہ بنایا ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات صحیح قوت کا سرچشمہ اور فتح و نصرت کا عنوان ہیں ——— حضرت فاروق اعظم نے چند سطروں میں افواج کو حکم دیا کہ عربوں کی روایات کا تحفظ کریں اور مسلمانوں کے اخلاق کو سختی سے اپنائیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اما بعد! تہبند باندھو، اوپر کی چادریں استعمال کرو اور جوتے پہنو ـــــ موزے اور شلواریں پھینک دو ـــــ تم اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے کپڑے پہنو! ـــــ عجمیوں اور سرمایہ دار لوگوں کا لباس مت پہنو ـــــ تم دھوپ میں رہنے کی عادت ڈالو، کیونکہ یہ عربوں کا حمام ہے ـــــ درشت مزاج بنو، کھردرے کپڑے پہنو! ـــــ رکابیں کاٹ دو اور چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہونا سیکھو ـــــ اور ہدف پر نشانہ لگانے کی مشق کرو۔

یہ وہ جامع نصیحت ہے جو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکروں کے کمانڈروں کو بطور آرڈر جاری فرمائی ـــــ انہیں خوف تھا کہ اگر ان کاموں کو چھوڑ دیا گیا تو دشمنوں کے سامنے فوجیوں کی حسی اور معنوی قوتیں کمزور پڑ جائیں گی۔

آپ نے فرمایا: [فَاتَّزِرُوْا ....] افواج کو تہبند، اوپر والی چادر اور جوتے استعمال کرنے کا حکم دیا ـــــ کیونکہ یہی عربوں کا لباس ہے ـــــ اور انہیں عجمیوں کی طرح کڑھائی کی ہوئی فاخرانہ شلواریں اور قیمتی موزے پہننے سے منع فرمایا ـــــ کیونکہ انہوں نے جس اسلامی لباس کا حکم دیا تھا وہ عیش و عشرت سے دور ہے ـــــ نرم، ملائم اور فاخرانہ لباس پہننے سے مردوں میں عورتوں اور ہیجڑوں والے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں ـــــ انسان سستی اور تن آسانی کا شکار ہو جاتا ہے ـــــ نیز مشکلات پیش آنے پر بزدل ہو جاتا ہے ـــــ حضرت فاروق اعظم نے فوجیوں کو کسی بھی معاملے میں عجمیوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ـــــ تاکہ ان کا اسلامی، عربی اور بدوی تشخص برقرار رہے ـــــ اور ان کے قدم اندھی تقلید کے باعث پھسل نہ جائیں ـــــ مسلمان کی شخصیت اسلامی، منفرد اور بلند و بالا ہے، جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے ـــــ مسلمان اگر اس شخصیت کو بھلا دے گا تو وہ دشمنوں کو خوف زدہ کر دینے والی عظیم ترین معنوی قوت

سے محروم ہو جائے گا ——— پس لباس، روایات اور زندگی کے طور طریقوں سے غیروں، خاص طور پر دشمنوں کی اندھی تقلید مسلمانوں کو مقتدی بنا دے گی، مقتدا نہیں بننے دی گی ——— عامۃ المسلمین کو ہر بھلائی ان کے پیچھے چلنے میں نظر آئے گی ——— اور یہ اس طرح پگھل کر فنا ہو جائیں گے جس طرح نمک پانی میں فنا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب دشمن دیکھے گا کہ تم اس کی تقلید اور پیروی کر رہے ہو تو وہ تمہیں حقیر جانے گا ——— اس کی نگاہ میں تمہارا مقام حقیر ہو جائے گا اور تمہاری ہیبت اس کے دل میں کم ہو جائے گی ——— بالفاظِ دگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب آپ نے اپنی ذات اور شخصیت کو کھو دیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے بہت بڑا ہتھیار ضائع کر دیا۔

حضرت فاروق اعظم نے افواج کو مضبوط جوتوں کے پہننے کا حکم دیا ——— قیمتی اور ہلکے پھلکے موزے پہننے سے منع فرمایا ——— تاکہ پیدل چلنے سے ان کی ہڈی مضبوط ہو ——— اور دادِ شجاعت دینے اور میدان جنگ میں ان کے پاؤں جہاد کے لئے مضبوط ہوں (نرم و نازک جوتے پہننے والا میدانِ جنگ میں مطلوبہ ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔)

اسی طرح امیر المؤمنین نے سپاہیوں کو حتی الامکان دھوپ میں رہنے کا حکم دیا ——— تاکہ ان کے اجسام تندرست اور توانا رہیں ——— کیونکہ دھوپ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے ——— مجاہدین ایسے شہروں میں جا پہنچے تھے جن کی فضا جنگلوں والی تھی ——— انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں شہری آبادیوں کی سایہ دار جگہوں پر رہنے سے مجاہدین شہری بیماریوں میں مبتلا نہ ہو جائیں ——— علاوہ ازیں وہ نئی فضاء، نئے کھانے اور نئی ہوا سے مانوس نہیں تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ تم شہ سواری اور اخلاق و عادات میں اپنے جد امجد معد بن عدنان کا طریقہ اپناؤ ——— فرمایا:

(تَمَعْدَدُوْا وَاخْشَوْشِنُوْا) تم اپنے لباس اور طور اطوار میں درشتی اور کھردرا پن اپناؤ، تاکہ تمہارے اجسام جنگوں کے متحمل ہو سکیں ——— اور دشمنوں کے مقابلے کے وقت مشقت، جفاکشی اور گرمی کو برداشت کر سکیں ——— رہا نرم و نازک اور عیش و عشرت کا عادی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا، جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے ——— اس میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ ثابت قدم رہ سکے اور مصیبتیں برداشت کر سکے۔

آپ نے حکم دیا (اخْلَوْلِقُوْا) کہ ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہو ——— بے مقصد فارغ رہ کر اپنی طاقت اور شہسواری کی صلاحیت ضائع نہ کرو ——— بلکہ جب بھی جنگ کا پہیہ گردش میں آئے، تم آمادۂ جہاد رہو ——— اور ایک آرڈر پر فوراً حرکت میں آجاؤ۔

سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا: اِقْطَعُوا الرُّكُبَ یعنی گھوڑوں کی پشتوں سے رکابوں کو ختم کردو ——— (وَانْزُوْا عَلٰی ظُهُوْرِهَا) یعنی گھوڑوں کی رکابوں میں پاؤں رکھے بغیر چھلانگ لگا کر ان پر سوار ہو جاؤ ——— اور رکابوں کے بغیر ان پر سوار ہونے کی عادت ڈالو ——— کبھی تمہیں فوری طور پر سوار ہونے کی ضرورت پڑی تو تم جست لگا کر ان پر سوار ہو سکو گے اور سرکش گھوڑے کو قابو کر سکو گے ——— طاقت ور بہادروں اور ماہر شہسواروں کا یہی طریقہ ہے ——— دشمن جب مجاہدین کو رکابوں کے بغیر ایک جست میں گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ان سے مرعوب ہو جائیں گے ——— نیز ان کی چستی اور طاقت سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔

نیز افواج کو حکم دیا (اِرْتَمُوا الْاَغْرَاضَ) نشانوں پر تیر پھینکو ——— اور صحیح نشانے پر تیر مارو ——— نشانہ بازی کی مشق کرو ——— تاکہ تمہیں جنگ میں کام دے ——— اور تم دشمن کو صحیح نقصان پہنچا سکو ——— آج فوجیوں کو جنگی مشقیں کروائی جاتی ہیں

ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ راکٹ اور بم برسائیں اور نشانے پر برسائیں۔

رسول اللہ ﷺ تیر اندازی اور گھڑسواری پر ابھارا کرتے تھے ـــــ حدیث شریف میں ہے: فَمَنْ لَمْ یَرْمِ فَلَیْسَ مِنَّا جس شخص نے تیراندازی نہیں کی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے ـــــ ایک دوسری حدیث میں ہے: رَمْیًا بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا ۔اے اولاد اسماعیل! خوب تیراندازی کرو، تمہارے جدامجد بھی تیرانداز تھے ـــــ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

اِرْمِ سَعْدُ اِفِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ

سعد! تیر چلاؤ! تم پر ہمارے والدین فدا ہوں۔

میں نے اسی سلسلے میں ایک قصیدے میں یہ اشعار کہے ہیں:

فَرَمْیًا بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ اِنَّ اَبَاکُمْ
لَقَدْ کَانَ یَوْمَ النَّقْعِ اَکْیَسَ رَامِیًا
فَرَمْیًا فَمَنْ لَّمْ یَرْمِ لَیْسَ بِمُفْلِحٍ
اِذَاشْتَجَرَتْ بَیْنَ الْخَمِیْسِ الْعَوَالِیَا

اے اولاد اسمٰعیل! خوب تیراندازی کرو، بے شک تمہارے جدامجد جنگ کے دن ماہر تیرانداز تھے۔

تو خوب تیراندازی کرو اور جو تیراندازی نہیں کرتا وہ اس وقت کامیاب نہیں ہوتا جب لشکر میں بلند و بالا نیزے گتھم گتھا ہو جائیں۔

تبصرہ:

یہ اسلامی افواج کے نام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت ہے ـــــ ان کا مقصد یہ تھا کہ سپاہِ اسلام کے دلوں میں طاقت، مردانگی اور شہسواری کی روح پھونک

دیں ——— انہیں افواجِ اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ خوف خوش حالی اور عیش و عشرت کا تھا ——— یہ وہ اوصاف ہیں جو ایک مرد کے دل میں ہیجڑہ پن، زنانہ پن اور بزدلی پیدا کر دیتے ہیں ——— فوجیوں کے دل عیش ونشاط اور راحت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں ——— اور اس طرح وہ فریضۂ دعوت ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے ——— اور شدتِ جنگ میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اسلامی فوجوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاکیدی حکم پر پورا پورا عمل کیا ——— اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت میں اضافہ کیا اور عزت میں بھی برکت عطا فرمائی ——— انہوں نے روئے زمین کے اطراف واکناف میں کلمۂ توحید کی تبلیغ کی ——— اور جو ان کے مقابل آیا اس کا قلع قمع کر دیا ——— اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دنیا کو فتح فرما دیا اور انہیں ان کے مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ——— ضروری ہے کہ حکمران اور امراء اپنے لشکروں کو یہی حکم دیں ——— اور رغبت کرنے والوں کو اسی میں رغبت کرنی چاہیے۔

تبصرہ (۲): حضرت مصنف نے مسلمانوں میں پائی جانے والی خطرناک بیماری پر تنبیہ فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلموں کی نقالی مسلمانوں کے تشخص کو تباہ کرنے کا باعث بنتی ہے، جب ہمارے حکمران داڑھی اور پردے کا مذاق اُڑائیں، بغلوں میں کتے لے کر تصویریں کھچوائیں، بیگمات کو بے پردہ زینت محفل بنائیں تو عوام میں اسلامی تشخص اپنانے کا جذبہ کہاں سے پیدا ہوگا اور غیر مسلموں سے مرعوب ہونے کی روایت کب ختم ہو گی؟ کوئی شخص پینٹ کوٹ پہن کر اور نکٹائی لگا کر کسی بڑے سے بڑے افسر کے پاس چلا جائے اور انگریزی میں گفتگو کرے تو وہ افسر اس نیازمندی سے پیش آئے گا جیسے آنے والا افسر ہو اور یہ اس کا ماتحت، انڈیا کی نشریات کا سننا اور انڈین ٹیلیویژن دیکھنا اسی طرح غیر ملکی چینل دیکھنا کسی طرح بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم بول چال، لباس اور بے حیائی میں ان کی نقالی باعثِ فخر سمجھتے ہیں، دوسروں کا تو کیا رونا خود پاکستانی ٹیلیویژن بے پردگی اور بے حیائی میں دوسروں کے دوش بدوش چلنا ترقی سمجھتا ہے۔ شرف قادری

ابن نُصَیر فاتح اندلس رحمہ اللہ تعالیٰ

انہوں نے اقتدار اور امیر کی نافرمانی پر رب کریم کی رضا کو ترجیح دی

ایک دفعہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک فاتحِ اندلس موسیٰ ابن نُصیر (۱) پر ناراض ہو گیا ـــــ اس کے حکم پر موسیٰ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا ـــــ موسیٰ بھاری جسم کا مالک تھا، تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑا ـــــ جب اسے ہوش آیا تو سلیمان بن عبدالملک نے جلال کے عالم میں غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا:

میں نے تمہیں تحریری طور پر آرڈر دیا تھا ـــــ تم نے میرے حکمنامے کو دیکھا تک نہیں ـــــ کیا اسی طرح حکم مانا جاتا ہے؟ ـــــ

اس نے دھمکی دینے کے انداز میں سر ہلایا ـــــ قریب تھا کہ وہ شدت غضب سے پھٹ جائے۔

پھر اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا:

ایک لاکھ دینار لاؤ ـــــ پورے ایک لاکھ دینار نکالو۔

موسیٰ نے کہا:

امیر المؤمنین! میرے پاس جو مال و اسباب تھا وہ آپ لے چکے ہیں ـــــ آپ نے مجھے نادار بنا دیا ہے ـــــ میں لاکھ دینار کہاں سے پیش کروں؟ ـــــ میں تو فقیر بے نوا ہوں ـــــ میرے پاس ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں ہے ـــــ حالات زمانہ نے اپنے دانت مجھ میں گاڑ دیے ہیں ـــــ میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

موسیٰ کا خیال تھا کہ سلیمان کو اس کی بے کسی پر ترس آئے گا ـــــ اس نے

سلیمان کے جذبۂ ترحم کو ابھارنے کے لئے پورا زور بیان صرف کر دیا ـــــ لیکن سلیمان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا ـــــ الٹا اس کے طیش میں اضافہ ہو گیا ـــــ چہرے کے زاویئے بدل گئے ـــــ گلا پھاڑتے ہوئے نیا حکم صادر کیا:

دو لاکھ دینار پیش کرو ـــــ پورے دو لاکھ ـــــ ایک بھی کم ہوا تو جرمانہ قبول نہیں ہو گا۔

موسیٰ ایسے جرنیل کی آنکھوں کا پیمانہ چھلک پڑا ـــــ اسے یوں محسوس ہوا جیسے زمین اپنے مشرق و مغرب سمیت اس پر گر پڑی ہے ـــــ اس نے گڑگڑاتے ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا:

جناب عالی! میں آپ کے سامنے حاضر ہوں ـــــ میرے پاس مال کہاں؟ ـــــ میں تو فقیر بے نوا ہو چکا ہوں ـــــ میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں ہے۔

عجیب صورت حال تھی ـــــ بجائے پسیجنے کے اس کی سنگ دلی اور قہر و غضب میں اضافہ ہو گیا ـــــ اس کی آنکھیں اوپر چڑھ گئیں ـــــ فرطِ غضب سے اس کی شکل پہچانی نہیں جاتی تھی ـــــ اس نے چنگھاڑتے ہوئے کہا:

تم مانو یا نہ مانو ـــــ تمہیں ہر قیمت پر تین لاکھ دینار دینے پڑیں گے۔

پھر اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر شدید ترین سزا دو ـــــ پھر اس نے ارادہ کیا کہ اسے قتل کر کے قضیہ ہی ختم کر دیا جائے۔

موسیٰ نے اشک بار آنکھوں سے دائیں بائیں دیکھا ـــــ وہ اس انتظار میں تھے کہ انہیں کسی طرف سے مدد مل جائے ـــــ اچانک ان کی نظر سلیمان بن عبدالملک کے وزیر یزید بن مہلب پر پڑ گئی ـــــ وہ سلیمان کے دربار میں بڑا معزز مقام رکھتے تھے

—— موسیٰ نے ان کی پناہ طلب کی —— انہوں نے خلیفۂ وقت سے درخواست کی کہ آپ موسیٰ کو میرے سپرد کر دیں —— خلیفہ نے کہا: میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ تین لاکھ دینار ادا کر دیں —— یزید نے یہ خطیر رقم ادا کر دی اور موسیٰ کو پورے اعزاز اور احترام کے ساتھ اپنے گھر لے آئے۔

اب امیر موسیٰ ابن نُصیر یزید بن مہلب کے مہمان تھے —— ایک رات دیر تک گفتگو ہوتی رہی —— یزید نے موسیٰ سے دریافت کیا:

ابو عبدالرحمٰن! یہ تو بتائیں کہ آپ نے اپنی جان ہلاکت میں کیوں ڈال دی تھی؟ —— آپ نے اپنی عزت اور اقتدار کے مقام کو برقرار کیوں نہیں رکھا؟ —— اگر اپنے مقام کو بحال رکھتے تو آپ سربراہ ہوتے، ماتحت نہ ہوتے —— آپ حکمران ہوتے، تابع فرمان نہ ہوتے —— اور آپ اس حالت کو بھی نہ پہنچتے جس تک کہ آپ پہنچ چکے ہیں۔

موسیٰ کچھ دیر تک سر جھکائے مسکراتے رہے —— پھر انہوں نے سر اٹھایا تو ان کے چہرے پر اخلاص اور وفا کی شعائیں جگمگا رہی تھیں —— جو گفتگو انہوں نے کی وہ ان کے دل سے نکلی تھی اور ان کا چہرہ ان کے دل کا آئینہ بن گیا۔

کہنے لگے:

اللہ کی قسم! اگر میں دائرۂ فرمانبرداری سے نکلنا چاہتا یا سرکشی دکھانا چاہتا تو وہ میری گرد کو بھی نہ پا سکتے تھے —— لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اختیار کیا اور امیر المؤمنین کی اطاعت کے ترک کرنے کو ایمان کے تقاضے کے خلاف جانا۔

یہ وہ گفتگو ہے جو موسیٰ بن نصیر کے دل کی ترجمان تھی —— ان کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی اطاعت، اخلاص اور ایمان سے لبریز تھا —— انہوں نے قید، ذلت، عذاب اور فقر برداشت کر لیا، مگر وقت کے مسلمان حکمران کی نافرمانی اور

بغاوت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

موسیٰ ابن نُصیر صرف تاریخ اسلام کے جلیل القدر فاتحین میں سے نہیں ہیں —— بلکہ دنیا کے عظیم ترین اور نامور جرنیل ہیں —— انہوں نے بربروں پر غلبہ پایا —— بربر قوم حملوں کی شدت اور سفّا کی میں شہرۂ آفاق ہے —— انہوں نے بے شمار حملے کر کے ہر طرف فتنہ وغارت گری کی آگ بھڑکا رکھی تھی —— یہ لوگ بارہ دفعہ سے زیادہ مرتبہ اسلام سے برگشتہ ہوئے —— موسیٰ ابن نصیر انہیں دفع کرتے رہے —— یہاں تک کہ ان میں نرمی پیدا ہوئی —— وہ مشرف باسلام ہوئے اور دل و جان سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے —— یہ موسیٰ ابن نصیر ہی تھے جن کے ذریعہ بربروں کا ایمان مستحکم ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ افریقہ اور مغرب اقصیٰ میں اسلام کا پھیلاؤ اس عظیم فاتح اور جرنیل کا ممنون ہے —— جس نے بربر کے شہروں کے فتح کرنے، دین اسلام کی اشاعت، اور ان میں اقتدار کے مستحکم کرنے پر اکتفا نہیں کیا —— بلکہ اندلس کی طرف متوجہ ہوا، اسے فتح کیا اور اس کے شہروں پر قبضہ مضبوط کیا —— حالانکہ اس وقت اُن کی عمر پچھتر سال تھی —— اس عمر میں آدمی پر بڑھاپا چھا جاتا ہے اور اس کا عزم کمزور پڑ جاتا ہے۔

عجیب ترین بات یہ ہے کہ بڑی بڑی فتوحات میں موسیٰ ابن نصیر اور طارق بن زیاد کی فوجوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی —— انہوں نے اندلس پر حملہ کیا اور اسے پاؤں تلے روند ڈالا —— اگر کوئی دوسرا جرنیل تین لاکھ مجاہدین کی فوج لے کر بھی حملہ آور ہوتا تو دشمن پر اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر پاتا جو موسیٰ نے مختصر فوج کے ساتھ مختصر سی مدت میں حاصل کی۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے پیش نظر صرف اندلس نہیں تھا —— بلکہ اس عظیم جرنیل کی آرزو یہ تھی کہ میں پورے یورپ کو فتح کروں —— اور اسے روندتے

ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جاؤں——پھر وہاں سے مشرق کا رخ کروں اور شام کے شہروں کو فتح کروں——لیکن موت نے انہیں اپنے منصوبے پورے نہ کرنے دیئے۔

وہ کہا کرتے تھے:

افسوس! اگر میری فوج میرا کہنا مانتی تو میں ان کے ذریعے روم اور اس کے شہروں اور تمام علاقوں کو فتح کر ڈالتا۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ ابن نُصیر پر رحمتیں نازل فرمائے——انہوں نے ہر قسم کی سختی، مصیبت اور ناداری برداشت کی——لیکن مسلمان سلطان وقت کی نافرمانی کے لئے تیار نہیں ہوئے——یہ سب نتیجہ تھا اس ایمان کا جو ان کے دل میں راسخ تھا——اور اللہ تعالیٰ کے خوف کا جو ان پر حاوی تھا——اور اس اخلاص کا جس پر وہ پیدا ہوئے تھے۔

---

(۱) موسیٰ ابن نصیر لخمی اہل حجاز میں سے تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۹ھ میں پیدا ہوئے، انہیں بچپن ہی میں دودھ کے ساتھ جہاد کا شوق پلا دیا گیا تھا، جوان ہوئے تو جنگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ تھے، بڑے بہادر، صاحبِ دانش، دلیر، کریم النفس، متقی، زاہد اور یکے از تابعین تھے، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر ۸۹ھ میں افریقہ کے گورنر بنائے گئے، اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، ۹۸ھ میں مدینہ طیبہ کے قریب وادی القریٰ میں ۷۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

گرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

الملک الصالح کا دربان عفو وامان کا علامتی رومال لے کر سلطان العلماء عزّ بن عبدالسلام کی خدمت میں حاضر ہوا——بادشاہ کے دربان نے عرض کیا:

حضرت استاذ العلماء! آپ جن مناصب پر فائز تھے، آپ ان پر دوبارہ فائز ہو سکتے ہیں——بلکہ آپ کی عزت وتکریم میں اضافہ ہوسکتا ہے——شرط صرف اتنی ہے کہ آپ اپنے رویئے میں لچک اختیار فرمائیں——اور بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دے دیں۔

دربان کا خیال تھا کہ شیخ یہ کام تو بخوشی انجام دے دیں گے——اس کی دانست میں ترغیب کا یہ تیر اپنے نشانے پر لگا تھا——کیونکہ جب کوئی اٹل ارادے کا مالک کسی دنیادار کے آگے جھکنے سے انکار کردے تو وہ اس کو شکار کرنے کے لئے مکروفریب کا جال پھینکتے ہیں——اسے کسی عہدہ کی پیشکش کرتے ہیں، مال کا لالچ دیتے ہیں یا پھر عورت پیش کرتے ہیں——لازمی بات ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی سرپھرا کیوں نہ ہو وہ ان میں سے کسی نہ کسی جال میں پھنس ہی جائے گا——ہوسکتا ہے تینوں جال پھینکے جائیں اور وہ ان تینوں میں پھنس جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو؟——لہذا دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔(۱)

لیکن خوددار، عظیم اور مطمئن نفوس جو دنیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں——دنیا کی دولت اور جاہ ومنصب ان کے رویئے میں فرق نہیں لا سکتے——ان کی عظمت تو تنگی اور مشکل حالات میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ نے جب دربان کی چکنی چپڑی اور ترغیب آمیز گفتگو سنی تو وہ یک دم جنگل کے بادشاہ شیر کا روپ دھار گئے ـــــ ان میں کمزوری اور نرمی نام کی کوئی چیز نہ تھی ـــــ ان کے دل میں ایمان کی عزت جوش میں آ گئی ـــــ وہ عزت جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی عزت کا فیضان تھی ـــــ انہوں نے دربان کے منہ پر صاف لفظوں میں کہہ دیا:

اے مسکین! بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینا تو دور کی بات ہے ـــــ میں تو اس بات پر بھی راضی نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔

پھر پورے جلال کے ساتھ طیش بھری آواز میں فرمایا:

اے لوگو! تم ایک وادی میں ہو اور ہم دوسری وادی میں ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں جس ذلت میں مبتلا کیا ہے، مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے۔

دربان نے شیخ کی یہ گفتگو سنی تو حیران اور ششدر رہ گیا ـــــ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے اس قسم کی گفتگو سننی پڑے گی ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سر پر چٹان گر پڑی ہو ـــــ اسے یہ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اور کیا کہے؟ ـــــ شیخ اپنی عزتِ نفس، ایمان کی سچائی اور اللہ تعالیٰ پر وثوق کی بدولت اس کے حواس پر چھا چکے تھے۔

دربان شیخ کی بات سن کر خاموش رہا ـــــ دیر تک خاموش رہنے کے بعد دھیمی اور عاجزانہ آواز کے ساتھ گویا ہوا ـــــ وہ کوشش کر کے بلند آواز میں گفتگو کرنا چاہتا تھا تاہم اس کی آواز میں خوف، ذلت اور عاجزی کی جھلک صاف طور پر محسوس کی جا سکتی تھی ـــــ جناب عالی! بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ میری پیشکش کو قبول نہ کریں تو آپ کو

قید کر دوں ـــــ آپ کا کیا ارادہ ہے؟

اس کا خیال تھا کہ میری دھمکی شیخ کے دل پر اثر انداز ہوگی ـــــ شیخ کی تمام بیبا کی رخصت ہو جائے گی ـــــ انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا آسان ہو جائے گا ـــــ اور شیخ نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہو جائیں گے۔

لیکن شیخ کی قوت اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو گیا ـــــ گویا ان پر وحی نازل ہوئی ہو جس نے ان کے دل کو تقویت بخش دی ـــــ یا ان پر الہام نازل ہوا ہو جس کی بنا پر وہ نہ بادشاہ کی پروا کرتے ہیں اور نہ سزا کی ـــــ اور ان کی نگاہوں میں دنیا اور دنیا والوں کا نام ونشان مٹ چکا ہو ـــــ وہ پاکیزہ نفوس اکابر جن کے دل دنیا کی محبت سے خالی تھے اور وہ دنیا سے کہیں بلند و بالا تھے، ان پر اکثر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی ـــــ شیخ سخت طیش میں آگئے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی پھٹ پڑیں گے ـــــ پورے جلال کے ساتھ فرمایا:

تمہیں اختیار ہے، جو چاہے کرلو ـــــ ہاں ہاں! جو چاہے سزا دے لو۔

ان سے پوچھا تک نہیں کہ وہ کیا کریں گے؟ ـــــ شاہ کے کارندوں نے سوچا کہ ان کا علاج سوائے قید کے کچھ نہیں ہے ـــــ چنانچہ انہیں بادشاہ کے خیمے کے قریب ایک خیمے میں قید کر دیا ـــــ اور گمان کیا کہ قید ہو کر ان میں نرمی آجائے گی۔

لیکن شیخ کو اس تنہائی میں لطف آگیا ـــــ انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی ـــــ وہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت بھی کر رہے تھے اور قرآن کریم کے معانی پر غور وفکر بھی کر رہے تھے ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خوش قسمتی سے انہیں فرصت وراحت کے یہ لمحات میسر آگئے ہوں ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گوشۂ تنہائی میں خوشبو کا معطر جھونکا عطا فرما دیا ہو۔

الملک الصالح کے پاس اس کے خیمے میں فرنگی بادشاہوں کی میٹنگ ہو رہی تھی ـــــ شاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ اس شیخ کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے سن رہے ہیں؟۔

انہوں نے کہا: ہاں

بادشاہ نے بتایا کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا عالم ہے ـــــ میں نے مسلمانوں کے چند قلعے جو تمہارے سپرد کئے تھے، اس پر انہوں نے اعتراض کیا تھا ـــــ اس لئے میں نے انہیں قید کر دیا، دمشق کی خطابت اور دیگر ذمہ داریوں سے بھی برطرف کر دیا ـــــ اب یہ تمہاری وجہ سے قید میں ہیں۔

یہ سن کر شاہانِ فرنگ پر ہیبت طاری ہوگئی کہ یہ وہ عالم ہے جسے دنیا اپنی تمام تر چمک دمک کے باوجود اپنی طرف مائل نہیں کر سکی ـــــ یہ وقت کے بادشاہ سے نہیں ڈرے ـــــ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکی ـــــ ان کے دل نے کہا کاش ایسا عالم ہمارے پاس ہوتا تو ہم اس پر فخر کرتے۔

انہوں نے کہا: اگر یہ عالم پادری ہوتا اور ہمارے پاس ہوتا تو ہم اس کے پاؤں دھوتے ـــــ اور اس کے پاؤں کا دھوون پیتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرنگی حکمرانوں کو شکست دی ـــــ اور مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا تو الملک الصالح شیخ عزؒ الدین ابن عبد السلام کی طرف متوجہ ہوا ـــــ لطف و کرم سے پیش آیا اور ان سے معذرت کی ـــــ انہیں دوبارہ مصر کا خطیب اور قاضی بنا دیا، نیز مسجدوں کی تعمیر کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا۔

شیخ ملک صالح سے راضی ہو گئے اور اپنی ذمہ داریاں قبول کر لیں ـــــ کچھ

عرصہ کے بعد منصبِ قضا سے استعفا دے دیا ـــــ بادشاہ نے بڑے لطف و کرم سے کام لیتے ہوئے انہیں منصبِ قضا پر قائم رہنے کی اپیل کی جسے انہوں نے قبول کرلیا ـــــ کچھ عرصہ کے بعد پھر انہوں نے استعفا پیش کر دیا ـــــ بادشاہ نے پھر اصرار کیا کہ اس منصب پر بحال رہیں ـــــ لیکن انہوں نے درخواست کی کہ میرا استعفا بہر صورت قبول کرلیا جائے ـــــ بالآخر بادشاہ نے بادل ناخواستہ ان کا استعفا منظور کرلیا۔

تبصرہ:

یہ ہوتے ہیں خوددار نفوس، جنہیں ایمان کا پانی پلایا گیا ہوتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ انہیں ہر زمانے اور ہر جگہ میں عزت عطا فرماتا ہے ـــــ اور بادشاہوں کو ایسی جگہ لا کر کھڑا کر دیتا ہے کہ ان سے ڈرتے ہیں اور ان سے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں ـــــ یہ لوگ مسلم اُمّہ کے لئے شاندار مثال اور مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں ـــــ اور ایسا مرجع قرار پاتے ہیں جن سے مصائب اور مشقتوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

[طبقات الشافعیۃ ـــــ للامام السبکی]

(کسی قدر تصرف کے ساتھ)

لائق صد افتخار جج

کا وقت کے حکمران کے خلاف فیصلہ

حیفا میں ایک یہودی نے سلطان عبدالحمید ثانی عثمانی (۱) کے خلاف مقدمہ درج کروایا کہ سلطان نے میری ملکیتی زمین ناحق مملکت کی املاک میں شامل کر لی ہے ـــــــ اس نے حیفا کے خطیب قاضی ابونصر کے محکمہ میں باقاعدہ مقدمہ درج کروایا ـــــــ وہ کئی سال سے مختلف قاضیوں کے پاس مقدمہ درج کروا رہا تھا ـــــــ چونکہ یہ ایک یہودی کا مقدمہ تھا اور سلطان عبدالحمید کے خلاف تھا، اس لئے کسی قاضی نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا۔

جب یہ دعویٰ حیفا کے خطیب اور قاضی کے پاس پہنچا تو انہوں نے فیصلے کے لئے مجلس منعقد کی ـــــــ مملکت کی املاک کے وکیل کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ قانونی دستاویز پیش کرے ـــــــ ادھر یہودی کو حکم دیا کہ تمہارے پاس جو ثبوت ہے پیش کرو ـــــــ یہودی نے زمین کی ملکیت کی خصوصی دستاویز پیش کر دیں ـــــــ سلطان کے وکیل نے اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کوئی ثبوت پیش نہ کیا ـــــــ کیونکہ اسے سلطان کے جاہ و منصب اور قوت پر بھروسہ تھا ـــــــ اور وہ جانتا تھا کہ قاضی حضرات مملکت کے سربراہوں کے سامنے بے بس ہوتے ہیں ـــــــ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا قاضی سلطان وقت کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے ـــــــ یہ مقدمہ کئی سال سے لٹکتا چلا آ رہا تھا ـــــــ ایک کے بعد دوسرے قاضی کے سامنے پیش ہوتا رہا ـــــــ جب فیصلہ کرنے کا وقت آتا تو اسے محفوظ کر دیتے ـــــــ وہ کاغذات اور رجسٹروں میں گم ہو جاتا اور اس کا نام و نشان تک غائب ہو جاتا۔

قاضی اور خطیب ابوالنصر ہیڈ منشی کی طرف متوجہ ہوئے ـــــــ اور اسے حکم دیا کہ سلطان عبدالحمید کے خلاف فیصلہ لکھو ـــــــ اور لکھو کہ غصب کی ہوئی زمین مظلوم یہودی کو

واپس کی جائے ـــــ ہیڈ منشی مارے دہشت کے کانپ اُٹھا ـــــ اس نے قاضی کی بات پر تعجب کرتے ہوئے قاضی کی طرف دیکھا ـــــ اور اپنی نگاہیں قاضی کے چہرے پر مرکوز کردیں ـــــ گویا اسے یاد دلا رہا ہو کہ غور کرلیں کہ یہ فیصلہ سلطانِ وقت سلطان عبدالحمید کے خلاف ہے(۱) ـــــ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج کون سلطان کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے؟ ـــــ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے فیصلہ تحریر کرنے سے معذرت کردی ـــــ قلم قاضی کے سامنے رکھ دیا ـــــ اور کہنے لگا: جناب قاضی صاحب! مجھے یہ مشکل کام کرنے سے معذور رکھئے! ـــــ اگر آپ چاہتے ہیں تو خود لکھ لیں جو آپ کے جی میں آئے ـــــ لیکن قاضی ابوالنصر نے ہیڈ منشی اور اس کی معذرت کی کچھ پروا نہ کی ـــــ وہ چونکہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ حق یہودی کی طرف ہے اور اس کے پاس اپنے حق کا ثبوت موجود ہے ـــــ اس لئے وہ سلطان کو خاطر میں لائے اور نہ اس کے انتقام کو ـــــ ان کی نگاہوں میں سلطان اور اس کے حاشیہ بردار سب چھوٹے چھوٹے افراد دکھائی دئے ـــــ ان کے سامنے حق اِس عظمت کے ساتھ جلوہ گر ہوا کہ اس کے منافی ہر شے ان کی نگاہوں سے غائب ہوگئی۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر آسمان سے وحی نازل ہوئی ہو ـــــ یا ان کے دل میں القاء کیا گیا ہو کہ ہر قیمت پر حق کی حمایت کی جائے ـــــ اور یہ آیۂ کریمہ ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی ہو جس کا ایک ایک حرف اور معنی پکار پکار کر ان کو متوجہ کر رہا ہو:

يَـاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ (النساء:۴/۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر سختی سے قائم رہو، اللہ کے لئے گواہ ہو جاؤ اگرچہ اپنے خلاف گواہی دینی پڑے۔

ایک لمحے میں قاضی نے فیصلہ کیا، کاغذ اور قلم اٹھایا ـــــ اور چند کلمات تحریر کئے

جنہیں تاریخ نے نورانی حروف میں صفحۂ دہر پر محفوظ کر دیا —— یہ کلمات قاضیوں (ججوں) اور حکمرانوں کے لئے مشعلِ راہ ہونے چاہئیں —— انہیں ان زرّیں کلمات پر عمل کرنا چاہیے —— اور حالات کیسے بھی ہوں جاہ و مرتبہ اور وقت کے حکمران کی طرف جھکاؤ قبول نہیں کرنا چاہیے۔

قاضی صاحب نے لکھا:

میں نے اپنے دین کو دنیا پر ترجیح دی ہے —— میں نے امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، خادم الحرمین الشریفین، سلطان ابن سلطان، غازی عبدالحمید خان ابن سلطان غازی عبدالمجید خان کے نام آرڈر جاری کیا ہے کہ آپ نے اپنے قصد اور اختیار سے فلاں فلاں تاریخ کو فلاں یہودی کی جو زمین غصب کی ہے، اسے واپس کر دیں۔

پھر اس تحریر پر مہر لگائی اسے لفافے میں ڈالا —— اور بے خوف و خطر اپنے محکمے سے صادر ہونے والا شرعی حکم سلطان عبدالحمید خان کے نام آستانہ بھجوا دیا —— انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا حکم جاری کیا تھا —— اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کیا تھا:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ

(المائدہ: ۵/۴۴)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں۔

ایک دوسری آیت میں ہے کہ وہ ظالم ہیں —— تیسری آیت میں ہے کہ وہ فاسق ہیں۔

حکومت کے افراد میں یہ خبر پھیل گئی کہ حیفا کے قاضی ابوالنصر خطیب نے سلطان کے خلاف غصب کا فیصلہ دیا ہے —— اور اس سے مطالبہ کیا ہے کہ غصب کی ہوئی زمین

اس کے مالک فلاں یہودی کو واپس کی جائے ـــــ یہ کاغذات جس کے پاس بھی جاتے وہ افسوس کرتا اور کہتا: اللہ کی قسم! قاضی ابوالنصر زندہ نہیں رہ سکے گا۔

کوئی کہتا: اے خطیب ابوالنصر اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمت ہو ـــــ اب تجھے سمندر میں غرق کیا جائے گا اور تو مچھلیوں کی خوراک بن جائے گا ـــــ کیا کسی قاضی کی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ عبدالحمید خان ایسے سلطان کے خلاف فیصلہ دے؟

لیکن قاضی ابوالنصر نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی ـــــ ان کے لئے یہ کافی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہی ہے ـــــ انہوں نے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ـــــ وہ جو چاہے کرے ـــــ لوگ انتظار میں تھے کہ یہ تلخ اور ناگوار فیصلہ سلطان کو پہنچے گا تو اسکا ردعمل کیا ہو گا؟

یہ کاغذات سلطان عبدالحمید کو پہنچے ـــــ انہوں نے ان کو خوب غور و فکر سے پڑھا ـــــ اس قاضی کے اخلاص، جرأت اور بلا خوف لومہ لائم حق کی حمایت سے بہت متاثر ہوئے ـــــ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس سے رجوع کیا اور توبہ کی ـــــ اور قاضی ابوالنصر کو لکھا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے میری رعایا میں ایسے علماء پیدا کئے ہیں کہ جب میں حق سے دور ہو جاؤں تو وہ مجھے حق کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت سے ہمکنار کرتے ہیں۔

پھر انہیں ترقی دی، ان کی تنخواہ میں اضافہ کیا ـــــ اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں شاباش دی۔

یہ واقعہ میں نے خطیب کے خاندان کے ایک صاحب علم فرد سے سنا۔ (۲)

تبصرہ:

خلافت اسلامیہ کے دور میں تمام قاضی ایسے ہی تھے ـــــ جب حق ان پر واضح

ہوجاتا تھا تو اس پر ڈٹ جاتے تھے اور اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے ــــــ اگر چہ اس سلسلے میں انہیں جان کی بازی لگانا پڑتی ــــــ اسی طرح حکمران اور سلاطین علماء کی راہنمائی سے فائدہ اٹھاتے اور حق کی پیروی کرتے تھے ــــــ اگر چہ وہ ان کے خلاف ہی ہوتا ــــــ اسی لئے عوام اور حکمرانوں کے درمیان قلبی تعلق ہوتا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ــــــ اور دونوں جب تک حق پر متفق رہے، انہیں عزت بھی ملی اور قوت بھی ــــــ اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟۔ (۳)

---

(۱) یاد رہے کہ سلطان عبدالحمید ترکی کے وہ حکمران تھے جن کی حکومت تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی، جب یورپ میں نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ پر فلم بنائی گئی تو سلطان نے یورپ کے سفیر کو بلا کر تلوار میان سے باہر نکالی اور دھمکی دی کہ جب تک یہ فلم بند نہیں کی جاتی اور یورپ کے حکمران معذرت نہیں کرتے اس وقت تک یہ تلوار میان میں نہیں جائے گی، اس دھمکی پر پورا یورپ کانپ اٹھا تھا اور یورپ کے حکمرانوں نے معافی مانگی تھی۔
۱۲ اشرف قادری

(۲) میرے ہم عصر استاذ، برادر محترم شیخ سہیل خطیب، نے یہ واقعہ لکھ کر مجھے بھجوایا، میں نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ تحریر کیا، جیسے کہ آپ کے سامنے ہے۔

(۳) ابوالنصر خطیب: محمد ناصر الدین ابوالنصر ابن شیخ عبدالقادر خطیب قادری حسنی ۲۳ رجمادی الآخرۃ ۱۲۵۳ھ کو دمشق کے محلہ قیمریہ میں پیدا ہوئے۔ ۴ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کو وفات پائی۔ وہ فاضل علامہ شیخ ھاشم خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد کے چچازاد بھائی تھے۔ شیخ ابوالنصر بہت سے شہروں میں قاضی رہے مثلاً حیفا، بیرو دشام اور مغرب کے شہروں میں بھی قاضی رہے۔ شام کے مشہور ترین علماء میں سے عالم جلیل تھے، علامہ سید محمد امین عابدین صاحب حاشیۂ درمختار (علامہ شامی) کے استاذ شیخ سعید حلبی سے علم حاصل کیا، نیز دمشق میں شیخ محمد العانی سے بھی اکتسابِ فیض کیا، مصر گئے اور علامہ باجوری نیز شیخ ابراھیم السقا وغیرہم سے علمی استفادہ کیا، پھر دمشق آگئے اور تدریس میں مشغول ہوگئے، ان سے علماء کی بڑی جماعت نے استفادہ کیا۔ شیخ ابوالنصر خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بہادر اور بلند ہمت تھے، انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان کا راستہ نہ روک سکتی تھی، بڑے بارعب اور صاحب جلالت تھے، ان کی بہت سی کرامات ہیں جو شام اور مغرب میں ظاہر ہوئیں۔ ۱۲

شاہِ حبشہ کے دربار میں

ایک قدسی صفات گروہ مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا——انہیں خوف تھا کہ ظالم اور سرکش لوگ انہیں فتنے میں مبتلا نہ کردیں——انہوں نے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے ہجرت کی تھی——ان کی ہجرت کا مقصد سیر و سیاحت تھا اور نہ ہی دنیا کا حصول—— کسی عورت سے نکاح کرنا بھی ان کے پروگرام میں شامل نہ تھا——انہوں نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کی تھی——وہ چاہتے تھے کہ ہم بغیر کسی روک ٹوک کے کہہ سکیں کہ ہمارا رب اللہ ہے——اور ہم زمین میں دین اسلام کی اشاعت کرسکیں۔

جب یہ حضرات شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس پہنچے تو انہوں نے حبشہ میں سیاسی پناہ لے لی——اس مقدس جماعت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کرام حضرت جعفر بن ابی طالب (۱) اور دیگر حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے——قریش نے ان کے پیچھے نجاشی کے پاس وفد بھیجا، تاکہ یہ حضرات پناہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں——وہ ایک دفعہ نجاشی انہیں واپس قریش کے پاس بھیج دیں——پھر قریش انہیں جو سزا دینا چاہیں گے دے دیں گے——اس وفد میں عبداللہ بن ابی ربیعہ (۲) اور عمرو بن عاص (۳) شامل تھے——جب یہ وفد نجاشی کے شاہی دربار میں حاضر ہوا تو عمرو بن عاص نے انہیں درخواست پیش کرتے ہوئے کہا:

ہمارے کچھ کم عقل بچے آپ کے پاس آگئے ہیں——انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے——وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے——انہوں نے ایک نیا اور من گھڑت دین اختیار کیا ہے، جسے ہم پہچانتے ہیں اور نہ ہی آپ——ان کی

قوم کے معزز افراد یعنی ان کے آباء اور قبیلے والوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس ہمارے پاس بھیج دیں ـــــ وہ بہتر جانتے ہیں کہ اُنہیں اِن پر کیا اعتراض ہے؟

نجاشی نے ان کی گفتگو سنی تو ارادہ کیا کہ ہجرت کر کے آنے والوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے ـــــ پھر انہوں نے سوچا کہ حکمت و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے دوسرے فریق کا موقف بھی سن لیا جائے ـــــ اور ان کے دلائل کی سماعت بھی کی جائے ـــــ عادل اور منصف حکمران کا یہی انداز ہونا چاہیے کہ وہ تحقیق سے پہلے فیصلہ نہ دے۔

نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام کو پیغام بھیج کر بلایا ـــــ وہ آئے تو ان سے پوچھا:

یہ کونسا دین ہے؟ جسے تم نے اپنی قوم کو ناراض کر کے اختیار کیا ہے ـــــ تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ہی اس ملک کے کسی دوسرے دین میں داخل ہوئے ہو ـــــ آخر یہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟

یہ وہ سوال تھا جو نجاشی نے اپنے بھرے دربار میں صحابۂ کرام کے سامنے پیش کیا ـــــ قریش کا گمان تھا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے ـــــ ان کو پناہ سے نکال کر عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا جائے گا ـــــ وہ انہیں قریش کے سپرد کر دیں گے ـــــ اور قریش ان کو عبرت ناک سزا دیں گے۔

لیکن جرأت مند اور پیکرِ ایمان صحابی جن کو راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہیں کر سکتی تھی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پوری جماعت کے نمائندے بن گئے ـــــ اور انہوں نے اس بات کی پروا نہیں کی کہ کیا ہو گا؟ ـــــ کیونکہ ان کے سینے میں خالص ایمان موجزن تھا ـــــ اور انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ

فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے ——— اور وہ جس چیز کا ارادہ نہ فرمائے وہ ہو ہی نہیں سکتی۔

انہوں نے پوری فصاحت و بلاغت اور جامعیت سے لبریز جواب دیا:

اے بادشاہ! ہم سراپا جاہلیت تھے ——— بتوں کی عبادت کرتے تھے ——— مردار کھاتے تھے ——— بدکاریوں کا ارتکاب کرتے تھے ——— قطع رحمی ہمارا معمول تھا ——— پڑوسیوں کو اذیت دینا ہمارا شعار تھا ——— ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا ——— ہم اسی ڈگر پر چل رہے تھے کہ رحمت باری تعالیٰ نے ہماری یاوری فرمائی ——— ہم میں سے عظیم رسول مبعوث فرمایا ——— ہم ان کے عالی نسب، صداقت اور امانت کو جانتے ہیں ——— ان کی پاکدامنی کی تو فرشتے قسم کھا سکتے ہیں ——— انہوں نے ہمیں اللہ وحدہٗ لاشریک کو واحد یگانہ ماننے اور اس کی عبادت کی دعوت دی ——— انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اور ہمارے آباء و اجداد اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں اور خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے انہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں۔

انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت کے ادا کرنے، صلہ رحمی، خوش اخلاقی اور پڑوسی کی عزت کرنے کا حکم دیا ——— حرام کاموں اور ناحق خون ریزی سے بچنے کی تاکید فرمائی ——— ہمیں بدکاریوں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے سے منع کیا ——— ہمیں حکم دیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں ——— ہمیں نماز، زکوٰۃ، اور روزے رکھنے کا حکم دیا ——— ہم ان پر ایمان لائے ان کی تصدیق کی اور ان احکام کی پیروی کی جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے ——— ہم نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کیا ——— اور جو کچھ حضور ﷺ نے ہم پر حرام کیا اسے حرام جانا ——— اور جو کچھ ہمارے لئے حلال قرار دیا اسے حلال جانا۔

ہماری قوم نے ہم پر چڑھائی کی ـــــ ہمیں طرح طرح کے عذابوں اور فتنوں میں مبتلا کیا ـــــ انہوں نے سر توڑ کوشش کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر بت پرستی کو دین بنالیں ـــــ اور ہمیں مجبور کیا کہ جن خبیث اشیاء کو ہم پہلے حلال جانتے تھے اب بھی انہیں حلال مانیں ـــــ جب انہوں نے ہم پر ظلم کیا، جبر و تشدد کے پہاڑ توڑے، ہمارا جینا دوبھر کر دیا، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی ـــــ تو ہم آپ کے ملک میں آگئے اور آپ کی رعایا بن گئے۔

پھر حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی ـــــ نجاشی پر گریہ طاری ہوگیا، بے ساختہ رونے لگے اور آنسوان کے رخساروں پر بہنے لگے۔

پھر نجاشی نے کہا:

یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہوئے نور ہیں۔

نجاشی نے قرآن پاک سنا تو ان کے دل میں ایمان کا نور جگمگا اٹھا ـــــ انہیں خوشی ہوئی کہ انہوں نے توقف سے کام لیا اور مسلمانوں کو قریش کے سپرد کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیا۔

پھر عبداللہ ابن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کی طرف متوجہ ہو کر انہیں حکم دیا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں انہیں تمہارے سپرد نہیں کروں گا ـــــ آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ یہاں سے شرافت سے رخصت ہو جائیں۔

تبصرہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

يَحْتَسِبُ (سورۃ الطلاق:۲/۶۵)

جو شخص اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے، اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت جعفر طیّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے سامنے اپنے ایمان کی حقیقت کو نہیں چھپایا —— کیونکہ ان کا اٹل عقیدہ یہ تھا کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں —— وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے —— انہوں نے پوری للّٰہیت سے بات کی اور سچ کہا —— اللہ تعالیٰ نے نجاشی کا دل مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرنے سے پھیر دیا —— اور دشمنانِ اسلام کو خائب و خاسر لوٹا دیا۔

---

(۱) حضرت جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم کی کنیت ابوعبداللہ ہے، یہ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھائی تھے، اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان کو اور حضرت معاذ بن جبل کو بھائی بنایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ انہیں ابوالمساکین کی کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے، حبشہ ہجرت کر کے گئے، نجاشی اور ان کے متبعین ان کے ہاتھ پر ایمان لائے، غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا نام عمرو تھا، بعض علماء نے کہا کہ حذیفہ تھا "ذو الرمحین" (دو نیزوں والے) کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، ان کا نام بُجَیر تھا، نبی اکرم ﷺ نے اسے تبدیل فرما دیا۔ جب صحابۂ کرام ہجرت کر کے حبشہ گئے تو قریش نے انہیں عمرو بن عاص کے ہمراہ حبشہ بھیجا تھا۔ یہ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم قریشی سہمی، امیر مصر کی کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد تھی، تاریخ اسلام میں عرب کے نابغۂ روزگار دانشور تھے، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وابستہ رہے۔ ۹۹ سال عمر پائی ۴۳ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیس سال بعد وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ کا حکم ماننا مجھ پر واجب نہیں

وزیر منکوتمر نے اپنا دربان قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ابن دقیق العید کے پاس بھیجا ——— اور مطالبہ کیا کہ میری گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا جائے ——— ابن دقیق نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔

انہوں نے کہا: وزیر کی گواہی سے کیا ثابت ہوگا؟

دربان نے کہا: جناب عالی! کیا آپ کے نزدیک وہ عادل اور معتبر نہیں ہیں؟

جسٹس صاحب نے مسکراتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

یَقُولُونَ هٰذَا عِنْدَنَا غَیْرُ جَائِزٍ
وَمَنْ اَنْتُمُ حَتّٰی یَکُونَ لَکُمْ عِنْدُ ؟!

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، ان سے پوچھا جائے کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ کہ تمہیں یہ کہنے کا حق ہو کہ "ہمارے نزدیک" یہ مسئلہ اس طرح ہے۔

اور خاص طور پر یہ مصرع بار بار پڑھا:

وَمَنْ اَنْتُمُ حَتّٰی یَکُونَ لَکُمْ عِنْدُ ؟

پھر قاضی صاحب نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! جو کچھ تمہارا امیر کہہ رہا ہے اس کے بارے میں میرے پاس شرعی گواہی قائم نہیں ہے ——— لہذا کسی شے کے بارے میں کبھی بھی فیصلہ نہیں کروں گا۔

پھر دربان کو کہا:

بسم اللہ ——— آپ جا سکتے ہیں۔

دربان ناکام ونامراد اٹھ کر چلا گیا—— لیکن وہ کہہ رہا تھا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ اسلام ہے—— اللہ تعالیٰ کی قسم یہ اسلام ہے—— دنیا اس وقت تک خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک ایسے پاکیزہ صفات قاضی موجود رہیں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت گرفت میں نہیں لیتی۔

وزیر کو اطلاع ملی تو اس نے قاضی صاحب سے معذرت کی—— لیکن انہوں نے وزیر کی معذرت قبول نہیں کی—— وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ انہیں وزیر اور اس کے حکم کی پروا نہیں—— دوسرے دن قاضی صاحب حسب معمول قلعہ پر تشریف لے گئے—— وزیر کے دفتر کے پاس سے گزرے—— وہاں وزیر صاحب اپنے نوکروں چاکروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے—— ان کا ایک ایک دربان حاضر ہوا —— اور کہنے لگا: جناب عالی! وزیر صاحب آپ کے بیٹے ہیں—— وہ برکت حاصل کرنے کے لئے آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں—— لیکن قاضی صاحب نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی—— وزیر کے کارندے بار بار درخواست پیش کر رہے تھے اور اصرار کر رہے تھے—— لیکن قاضی صاحب جلال کے عالم میں بے رخی کا مظاہرہ کر رہے تھے —— پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز سے گویا ہوئے:

اسے کہہ دو! کہ تمہاری اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے۔

ہاں پھر سن لو! کہ تمہاری اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے۔

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے آپ کو منصب قضا سے معزول کر دیا ہے—— اسے کہو کہ اس منصب پر کسی دوسرے کو مقرر کر دے—— ہاں ہاں! میں جا رہا ہوں، کسی دوسرے کو قاضی بنا دے—— اور وزیر سے ملاقات کئے بغیر واپس آ گئے—— اپنے گھر میں داخل ہوئے اور دروازے کو اندر سے تالا

لگا دیا ـــــ اپنے نائبوں کو پیغام بھیج دیا کہ وزیر کے کہنے کے مطابق ہرگز فیصلہ نہ کرو ـــــ کیونکہ وہ شریعت اسلام کا مخالف ہے ـــــ لہذا اس کی اطاعت صحیح نہیں ہے ـــــ شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ قاضی ابن دقیق العید نے وزیر کی منشا کے مطابق فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا ہے ـــــ اور خود استعفا دے کر گھر میں بیٹھ گئے ہیں ـــــ بادشاہ وقت منصور حسام الدین کو اس خبر سے بڑا صدمہ پہنچا ـــــ اس نے وزیر منکوتمر کو ڈانٹ پلائی ـــــ اس دور کے عظیم عالم شیخ نجم الدین حسین اور اپنے کچھ درباریوں کو قاضی صاحب کے پاس بھیجا ـــــ اس وفد نے قاضی صاحب کے سامنے بادشاہ کی معذرت پیش کی ـــــ اور پرزور انداز میں بتایا کہ بادشاہ نے آپ کا استعفا قبول نہیں کیا ـــــ وہ آپ کا دلی احترام کرتے ہیں اور آپ کا مطالبہ پورا کرتے ہیں ـــــ قاضی صاحب نے معذرت قبول کر لی ـــــ اور وفد کے ہمراہ دربار شاہی میں جانے کے لئے تیار ہو گئے ـــــ جب بادشاہ نے انہیں دیکھا تو بہت خوش ہوا ـــــ آگے بڑھ کر گرمجوشی سے استقبال کیا ـــــ قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ کیا کہ تختِ شاہی پر بیٹھ جائیں ـــــ قاضی ابن دقیق العید نے اپنے آستین سے کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور تخت پر بچھا دیا ـــــ اور اس پر بیٹھ گئے ـــــ بات یہ تھی کہ تختِ شاہی پر ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا ـــــ قاضی صاحب نے بادشاہ کو عملی سبق دیا ـــــ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ یہ حرام ہے ـــــ تمہارے لئے اس پر بیٹھنا جائز نہیں ہے ـــــ بادشاہ قاضی صاحب کا غصہ ٹھنڈا کرنے لگا ـــــ وزیر کی طرف سے معذرت بھی کئے جا رہا تھا ـــــ لطف و کرم پر مشتمل گفتگو کر کے انہیں منصبِ قضا دوبارہ قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگا۔

شاہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

آپ جو چاہیں فیصلہ دیں ـــــ کوئی شخص آپ پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

قاضی صاحب نے بادشاہ کی پیشکش کے مطابق منصب قضا دوبارہ قبول کر لیا۔

پھر شاہ نے منکوتمر کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

یہ منکوتمر آپ کا بیٹا ہے ـــــ اس کا خاص خیال رکھیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق عطا فرمائے ـــــ یہ بہر حال آپ کا بیٹا ہے۔

قاضی صاحب نے گہری نظروں سے منکوتمر کی طرف دیکھا ـــــ گویا اپنی فراست سے اس کے دل کی تحریرات کو پڑھ رہے ہوں ـــــ اس کے علاوہ کبھی اپنے دونوں ہاتھوں کو کھولتے اور کبھی انہیں الٹا کر کے دیکھتے ـــــ اس کے ساتھ ہی کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب دیکھتے ـــــ پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:

مَایَجِیُٔ مِنْہُ شَیئٌ ؟ یہ کسی کام کا نہیں؟ یہ کونسا اچھا کام کرے گا؟

تین دفعہ یہ جملہ دہرایا۔

(وفیات الاعیان ـــــ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ:

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں ایسے ایسے قاضی ہوا کرتے تھے ـــــ جو برملا کلمۂ حق کہہ دیتے تھے اگر چہ کڑوا ہو ـــــ وہ دین کے راستے میں اپنی دنیا کو قربان کر دیتے تھے ـــــ حق کے خلاف کسی سے موافقت نہیں کرتے تھے ـــــ اور فیصلے میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے ـــــ امراء اور وزراء بھی غیر عادل ہوتے تو ان کی گواہی رد کر دیتے تھے ـــــ جب کہ اُسی دور میں بہت سے بڑے بڑے لوگ، امراء اور کمزور دل نام نہاد علماء (حقیقی علماء نہیں) ارباب حکومت کی چاپلوسی کرتے تھے اور ان کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ـــــ تاکہ انہیں مال، مرتبہ اور دنیاوی منصب حاصل ہو جائے جو کسی وقت بھی ہاتھ سے جا سکتا ہے۔ (یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب کیا حالت ہو گی۔ ۱۲ اشرف قادری)

واصل بن عطاء(1) کا اہم خطبہ

عربی خطبہ میں حرف ''راء'' ایک دفعہ بھی نہیں آیا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو قدیم اور بے کنار ہے ـــــ وہ باقی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں ـــــ وہ اپنے قرب میں بلند ہے ـــــ تمام تر بلندی کے باوجود قریب ہے ـــــ کوئی مکان اس کا احاطہ نہیں کرتا ـــــ تمام مخلوقات کی حفاظت اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ـــــ اس نے جو کچھ پیدا کیا کسی ماڈل کو سامنے رکھے بغیر پیدا کیا ـــــ ہر چیز کو ابتداءً پیدا کیا ـــــ اسے نہایت شاندار بنایا ـــــ ہر چیز کو حسن اور زیبائی عطا کی ـــــ جو چاہا اسے پورا کیا ـــــ اپنی حکمت کو بے حجاب کیا ـــــ ہر چیز اس کے خدا ہونے کی گواہ ہے ـــــ وہ ہر عیب سے پاک ہے ـــــ اس کے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا ـــــ اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا ـــــ ہر شے اس کی عظمت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے ـــــ ہر شے اس کی حکمرانی کے آگے عاجز و بے بس ہے ـــــ اس کا فضل ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے ـــــ ایک ذرّے کے برابر بھی کوئی چیز اس کے فضل سے خارج نہیں ـــــ اور وہی سننے جاننے والا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے ـــــ اس کا ہر نام مقدس ہے ـــــ اس کی نعمتیں عظیم ہیں ـــــ وہ ہر مخلوق کی صفات سے بلند و بالا ہے ـــــ اس کی بارگاہ قدس تک وہموں کی رسائی نہیں ـــــ کوئی عقل اور سمجھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی ـــــ اس کی نافرمانی کی جاتی ہے اس کے باوجود وہ درگزر فرماتا ہے ـــــ اس کی بارگاہ میں دعا کی جاتی ہے جسے وہ قبول فرماتا ہے ـــــ بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ معاف فرماتا ہے ـــــ وہ ہر اس کام کو جانتا ہے جو بندے کرتے ہیں۔

میں برحق گواہی دیتا ہوں اور سچی بات کہتا ہوں ـــــ پورے خلوص اور دل کی گہرائی سے کہتا ہوں کہ حضرت محمد بن عبداللہ، اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم نبی معظم، منتخب اور برگزیدہ ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق کی طرف روشن دلائل، ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ـــــ آپ نے احکام کی تبلیغ کی اور امت کی خیر خواہی فرمائی ـــــ آپ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو سکی ـــــ اور کسی گمان کرنے والے کا گمان آپ کا راستہ نہ روک سکا ـــــ آپ پوری استقامت کے ساتھ اپنے طریقے پر قائم رہے ـــــ اپنے مشن کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کر دی ـــــ یہاں تک کہ آپ کی رحلت کا وقت آ گیا ـــــ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر وہ افضل و اکمل، پاکیزہ ترین اور اجلّ واعلیٰ رحمتیں نازل فرمائے جو اس نے اپنے برگزیدہ ترین انبیاء کرام اور ملائکہ عظام پر نازل فرمائیں ـــــ بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ بے شک وہ تعریف کیا ہوا، بزرگی والا ہے۔

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اور اپنے آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو ـــــ اس کی فرمانبرداری کرو ـــــ اس کی نافرمانی سے بچو ـــــ میں تمہیں ان کاموں کی ترغیب دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں ـــــ اور اس کے مقربین کے زمرے میں شامل کر دیں ـــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا بہترین زادِ راہ اور قیامت کے دن بہترین ذخیرہ ہے ـــــ تمہیں دنیا کی زندگی اپنی زیب و زینت، مکر وفریب، لذّتوں کے حملوں اور آرزوؤں کی خواہشات کے ساتھ ہرگز نہ الجھا دے ـــــ کیونکہ یہ سامان بہت تھوڑا اور مدّت بہت مختصر ہے ـــــ اس دنیا کی ہر چیز زائل ہو جائے گی ـــــ تم نے اس کے کتنے حیران کن شعبدے دیکھے ہیں؟ ـــــ اس نے

تمہیں شکار کرنے کے لئے کتنے جال بچھائے ہیں؟ ــــــ اس نے کتنے ایسے لوگوں کو ہلاکت کی وادیوں میں دھکیل دیا؟ جنہوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی طرف مائل ہوئے ــــــ اس نے ایسے لوگوں کو میٹھی چیزیں چکھائیں اور ان میں زہر ملا دی ــــــ وہ بادشاہ کہاں ہیں؟ جنہوں نے شہر آباد کئے ــــــ مضبوط قلعے تیار کئے ــــــ مستحکم گیٹ بنائے ــــــ تیز رفتار گھوڑے تیار کئے ــــــ شہروں کے مالک بنے ــــــ انہوں نے خانہ زاد غلاموں سے خدمت لی ــــــ دنیا نے انہیں کجاووں سمیت ضبط کر لیا ــــــ اپنے سینے کے نیچے کچل دیا ــــــ دانتوں سے چبا ڈالا ــــــ انہیں وسعت کی جگہ تنگی ــــــ عزت کی جگہ ذلت دی ــــــ بقا کی بجائے فنا سے دوچار کیا ــــــ وہ قبروں میں جا بسے ــــــ ان کے جسم کیڑوں نے کھا لئے ــــــ اب صرف ان کے گھر دکھائی دیتے ہیں ــــــ ان کی یادگاریں ہی ملتی ہیں ــــــ خود ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا ــــــ کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی ــــــ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے تم سفر خرچ تیار کر لو ــــــ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے ــــــ اے اصحاب عقول! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو اس کی نصیحتوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ــــــ اپنے حصۂ آخرت اور سعادت کے لئے عمل کرتے ہیں ــــــ اور گفتگو کو توجہ سے سن کر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں ــــــ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور یہی ارباب دانش ہیں۔ بے شک ایمانداروں کے لئے بہترین قصہ اور متقین کے لئے بلیغ ترین نصیحت اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ــــــ جس کی آیات بڑی پاکیزہ اور دلائل بہت واضح ہیں ــــــ جب تمہارے سامنے اس کی تلاوت کی جائے تو تم اس کے احترام میں خاموش ہو جاؤ ــــــ اور اس امید پر سنو کہ تم کامیاب ہو

جاؤ گے ـــــ میں قوت والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، گمراہ شیطان سے ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سننے جاننے والا ہے ـــــ آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے ـــــ اللہ بے نیاز ہے ـــــ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ـــــ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حکمت والی کتاب اور روشن وحی سے فائدہ عطا فرمائے ـــــ ہمیں اور آپ کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے ـــــ ہمیں اور آپ کو جنّات النعیم میں داخل فرمائے۔

۱۔ ابو حذیفہ واصل بن عطاغزّ ال بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام، معتزلی اور علم کلام کے ایک امام تھے، ان کے ہمنواؤں کو معتزلہ کا لقب اس لئے دیا گیا کہ وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے حلقہٴ درس سے الگ ہو گئے تھے (اور اہل سنت سے الگ ایک مکتب فکر کے بانی قرار پائے، اعتزال کا معنی ہے الگ ہونا) معتزلہ کا ایک فرقہ ''واصلیہ'' ان کی طرف منسوب ہے، مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں پلے بڑھے اور ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے، ان کی زبان میں لکنت تھی، جس کی بنا پر ان کے لئے ''حرف راء'' کا تلفظ دشوار تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کلام میں راء کے لانے سے اجتناب کرتے تھے۔ ۱۲ فرفور

واصل بن عطاء کے خطبہ سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے عربی خطبہ کا پڑھنا ضروری ہے، اسی میں آپ دیکھیں گے کہ وہ ایک جگہ کے علاوہ کہیں بھی ''راء'' نہیں لائے۔ کہتے ہیں کہ انہیں زبان و بیان پر اتنا عبور تھا کہ ان کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ حرف راء کا وجود ہی نہیں ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

اعجاز قرآن

ارباب عقول کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن پاک نے تمام انسانیت کو مقابلہ کرنے سے عاجز کر دیا —— اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے —— اور قرآن پاک کے معجزہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ یہ کتابِ برحق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے —— اور اسے لانے والے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں —— مشرکوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے —— پھر جتنے منہ اتنی باتیں —— ارشاد باری تعالیٰ ہے: کافروں نے کہا: یہ تو صرف بہتان ہے جو انہوں نے خود بنالیا ہے اور اس پر کچھ اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے(۱) —— کچھ کافروں نے کہا: یہ تو صرف جادو ہے جو اگلوں سے نقل کیا گیا ہے(۲) —— لیکن قرآن کریم نے انہیں چیلنج کیا کہ اس جیسی کوئی کتاب یا اس کی سورت ایسی سورت لا کر دکھاؤ —— چنانچہ ارشاد ربانی ہے: اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی تو تم اس کی مثل سے ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمائتیوں کو بلالاؤ اگر تم سچے ہو —— اگر تم نہ لاسکو اور ہم بتائے دیتے ہیں کہ تم نہ لاسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (۳)

لیکن دنیائے کفر اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہی —— ان کی گردنیں قرآن کے آگے جھک گئیں اور ایسی جھکیں کہ پھر نہ اٹھ سکیں (۴) —— ان کی آرزوئیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں —— آج تک کوئی ایسا سپوت پیدا نہیں ہوا جو اس کا مقابلہ کر سکے —— اور قیامت تک کوئی شخص اس کی ہمت نہیں کر سکے گا —— جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور تم ہرگز اس کی مثل نہ لاسکو گے۔

وجوہ اعجاز میں علماء کا اختلاف

قرآن پاک کے معجز ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ــــــ اس میں علماء کا اختلاف ہے ــــــ بعض کے نزدیک اس لئے معجز ہے کہ اس میں غیبی خبریں دی گئی ہیں ــــــ بعض کے نزدیک اس لئے کہ ٹھوس اور رواں دواں کلام ہے۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ (۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے ــــــ اسی دور میں انہوں نے دنیائے عرب کے نامور شاعر حضرت لبید عامری (۶) رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے جو کلام لکھا ہے وہ مجھے بھجوائیں ــــــ انہوں نے جواباً سورۂ بقرہ لکھ کر بھجوادی ــــــ اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں شعر کی جگہ یہ سورت عطا فرمادی ہے (یعنی اس سورت کو پڑھ کر میں نے شاعری چھوڑ دی ہے۔ یہ ہماری کتنی بد قسمتی ہے کہ ہم مسلم اور غیر مسلم شعرا کا کلام بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں اور اپنے رب کا کلام پڑھنے کی ہمیں فرصت نہیں۔۱۲ اشرف قادری)

دیکھئے! یہ لوگ فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق تھے ــــــ لیکن قرآن کریم یا اس کی کسی جزء کی مثال لانے سے کس طرح بے بس ہو گئے؟۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کا اعجاز یہ ہے کہ اس کی طرح کوئی کلام دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا ــــــ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ وہ ہے جسے خال خال لوگ ہی جانتے ہیں ــــــ اور وہ یہ ہے کہ یہ دلوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے ــــــ اور انسانی نفوس اس سے متاثر ہوتے ہیں ــــــ آپ کو قرآن کریم کے علاوہ کوئی کلام ایسا نہیں ملے گا، خواہ وہ نظم ہو یا نثر جو کانوں سے ٹکرائے تو کبھی دل کو لذت و حلاوت سے معمور کر دے ــــــ اور کبھی دل پر رعب اور ہیبت طاری کر دے ــــــ انسانی نفوس اس سے مسرور ہو جائیں اور سینے اس کے لئے اپنے سب دروازے

کھول دیں ——— یہاں تک کہ جب انسانی نفوس اس سے اپنا حصہ حاصل کر لیتے ہیں تو خوش بھی ہوتے ہیں اور انہیں قلق اور اضطراب بھی لاحق ہوتا ہے ——— ان پر ایسا خوف و ہراس طاری ہوتا ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دہل جاتے ہیں ——— یہ رعب اور خوف ایسا ہوتا ہے جو انسانی نفوس اور ان کے مخفی عزائم اور پختہ عقائد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے ——— عربوں کے کتنے دلاور اور شہ زور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور آپ کو اچانک حملہ کر کے شہید کرنا چاہتے تھے ——— لیکن جونہی انہوں نے قرآن پاک کی چند آیات سنیں تو انہوں نے فوراً اپنی پہلی سوچ کو چھوڑ دیا ——— آپ کے ساتھ صلح کر لی، آپ کے دین میں داخل ہو گئے ——— اور ان کی دشمنی دوستی میں اور ان کا کفر ایمان میں تبدیل ہو گیا۔

[امام خطابی (۶) کے رسالہ ''البیان'' کا اقتباس]
کسی قدر تبدیلی کے ساتھ

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

(امام احمد رضا)

---

(۱) سورۃ الفرقان: ۲۵/۴

(۲) المدثر: ۷۴/۴

(۳) البقرہ: ۲/۲۳

(۴) ابو عامر مغیرہ ابن شعبہ الثقفی جلیل القدر صحابی ہیں، صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے، حدیبیہ اور بیعت رضوان میں حاضر ہوئے، وسیع فکر کے مالک تھے، انہیں ''مغیرۃ الرأی'' کہا جاتا ہے گویا وہ سراپا فکر اور رائے تھے، یمامہ میں حاضر ہوئے، شام اور عراق کی فتوحات

میں حصہ لیا، عرب کے عالی فکر دانشور تھے، پہلے پہل انہوں نے بصرہ کا دفتر قائم کیا، ۵۰ھ میں رحلت ہوئی ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵) ابو عقیل لبید عامری بڑے شہسوار اور بہادر تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تحریر کیا کہ اپنے تازہ اشعار ارسال کریں، انہوں نے جواباً تحریر کیا کہ میں سورۂ آل عمران یاد کر چکا ہوں، اب شعر کیسے کہہ سکتا ہوں؟ (یعنی شعر و شاعری کی آب و تاب قرآن پاک کے آگے ماند پڑ گئی ہے) ایک سو پینتالیس سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا، انہوں نے پچپن سال اسلام میں اور نوے سال جاہلیت میں گزارے، بخاری اور مسلم میں ہے کہ شاعر نے جو بہت ہی سچی بات کہی ہے وہ لبید کی بات ہے۔ ع

اَلَا کُلُّ شیٔ ماخلا اللّٰہَ بَاطِلُ سنو ہر شے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے باطل ہے۔ ۱۲ فرفور

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولولا الشعرُ بالعلماءِ یُزرِی
لَکنتُ الیومَ اَشعرَ مِنْ لَبِیدِ

اگر شعر علماء کو عیب نہ لگاتا (یعنی اگر ان کے شایانِ شان ہوتا) تو میں آج لبید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بڑا شاعر ہوتا۔ ۱۲ اشرف قادری

(۶) ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی جلیل القدر عالم تھے، فصاحت و بلاغت اور لغت میں ممتاز مقام رکھتے تھے (عظیم شارح حدیث بھی تھے۔ ۱۲ قادری) قرآن پاک کے اعجاز کے بیان میں ان کا ایک رسالہ ہے (اسی کا اقتباس اوپر مذکور ہوا ہے) ۳۸۸ھ میں ان کی رحلت ہوئی ——— رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خوددار لوگ برداشت نہیں کرتے

ہشام بن عبدالملک ایک دن اپنے دور خلافت میں شکار کے لئے نکلا —— اس نے ایک ہرن کو دیکھ کر اس کا پیچھا کیا —— یہاں تک کہ ایک مکان کے پاس پہنچا، جہاں ایک لڑکا کھیل رہا تھا۔

ہشام نے اسے کہا:

اے لڑکے! اس ہرن کو پکڑ کر میرے پاس لا۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ لڑکا بڑا خوددار ہے —— ذلت اور توہین کو پسند نہیں کرتا —— اور ظلم برداشت نہیں کرتا۔

لڑکا تحقیر اور استہزا کے انداز میں مسکرایا —— اور کہنے لگا:

لگتا ہے کہ تم حیا سے بالکل عاری ہو —— کیونکہ تم نے مجھے تحقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے —— اور میرے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا ہے —— تمہاری گفتگو کا انداز جابرانہ ہے —— اور تمہارا کام گدھوں والا ہے۔

ہشام نے دیکھا کہ یہ لڑکا میری توہین کر رہا ہے —— تو اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں —— چہرہ سرخ ہو گیا پھر شدت غضب سے سیاہ پڑ گیا —— اس نے چلاتے ہوئے کہا: لڑکے! کیا تو نے مجھے نہیں پہچانا؟ —— اس کا گمان تھا کہ لڑکے نے اسے نہیں پہچانا —— اس لئے حد ادب سے آگے نکل گیا ہے —— اس نے کہا: کیوں نہیں پہچانا؟ —— تمہاری بے ادبی نے تمہارا مکمل تعارف کرا دیا ہے —— تم نے سلام کئے بغیر گفتگو شروع کر دی ہے۔

ہشام سمجھ گیا کہ اس نے مجھے نہیں پہچانا —— اگر پہچان لیتا تو خوف زدہ ہوتا یا شرماتا —— اور ایسی گفتگو ہرگز نہ کرتا۔

اس نے کہا: میں خلیفۂ وقت ہشام بن عبدالملک ہوں۔

اس سے اس لڑکے کی جرأت اور درشتی میں مزید اضافہ ہو گیا —— کہنے لگا:

اللہ تعالیٰ تمہیں قرب عطا نہ فرمائے —— اور دیر تک برقرار نہ رکھے۔

لڑکے کی گفتگو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہر طرف سے گھوڑوں اور فوجیوں نے ہشام کا احاطہ کر لیا —— ہر شخص کہہ رہا تھا:

السلام علیک یا امیر المؤمنین! السلام علیک یا امیر المؤمنین!

ہشام نے حکم دیا: سلسلۂ سلام بند کرو —— اس لڑکے کو حراست میں لو —— اور اسے میری خدمت میں پیش کرو۔

پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا —— لڑکے نے اس کے ساتھ جو اہانت آمیز سلوک کیا تھا اس پر وہ غصے سے کھول رہا تھا —— یہاں تک کہ وہ لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے محل میں پہنچ گیا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا —— ابھی تک اسکا غیظ و غضب عروج پر تھا، اس میں کچھ بھی تو کمی نہیں ہوئی تھی —— حکومت کے امراء، وزراء اور منشی آکر امیر المؤمنین! کہہ کر اسے سلام کر رہے تھے —— لڑکا خاموشی سے سن رہا تھا —— اس نے امیر المؤمنین کو سلام بھی نہیں کیا —— بلکہ آنکھیں بند کئے سر جھکائے کھڑا رہا —— اسے اس طرح بے تعلقی سے کھڑا دیکھ کر امراء، وزراء اور دربان پیچ و تاب کھا رہے تھے —— بادشاہوں اور امراء کے چہیتوں اور حاشیہ برداروں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی جو منافقت سے کام لیتے ہیں —— دل کھول کر خوشامد کرتے ہیں —— اور بڑے لوگوں کی خواہشات کے مطابق کام کرتے ہیں —— اگرچہ انہیں حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت کرنا پڑے —— ان کا مقصدِ زندگی یہ ہوتا ہے کہ سلاطین اور امراء کا قرب حاصل ہو جائے —— اور ہمیں دولت و اقتدار مل جائے۔

ایک وزیر نے اس لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

او عرب کے کتے! تو نے امیر المؤمنین کو سلام کیوں نہیں کیا؟

اس کا گمان یہ تھا کہ یہ مجھ سے مرعوب ہو جائے گا —— جھک جائے گا —— اسے قابو کرنا آسان ہو گا —— لیکن اس کا گمان غلط ثابت ہوا —— اور اس کا تیر خطا گیا —— لڑکے نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا:

گدھے کے پالان کے نیچے بچھائے جانے والے کمبل! (اس نے اشارۃ ہشام کو گدھا اور وزیر کو اس کی پشت پر بچھایا جانے والا کمبل قرار دیا)

ایک دوسرے وزیر نے اس کی گفتگو کو کاٹتے ہوئے کہا:

عربوں کے گدھے کے بچے! کیا تیری بیہودگی یہاں تک پہنچ گئی کہ تو امیر المؤمنین کو اس طرح مخاطب کرتا ہے؟

لڑکے نے کہا:

تیری ماں تجھے گم کرے! —— کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول گرامی ﷺ پر نازل کردہ کتاب میں کیا فرمایا ہے؟ —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا (النحل ۱۶/۱۱۱)

جس دن ہر جان اپنی طرف سے جھگڑتی آئے گی۔

جب اللہ تعالیٰ ہر جان کا جھگڑا سنے گا تو ہشام کون ہے؟ کہ اس سے بات نہ کی جاسکے۔

اب تو ہشام کا پارہ آخری ڈگری کو چھونے لگا —— اس کی زبان قابو سے باہر ہو گئی —— اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟

اس نے کہا: یہ لڑکا بہت زبان درازی کر چکا ہے۔

مجھے اس کا سر چاہیے —— مجھے اس کا سر چاہیے۔

منافقین ہر طرف سے دوڑے —— وہ تو ہشام کی زبان سے اسی بات کے

سننے کے منتظر تھے ـــــ انہوں نے لڑکے کو اٹھایا اور چمڑے کے بستر پر بٹھا دیا ـــــ ایک شخص ننگی تلوار لے کر اس کی گردن اڑانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

جلاد نے اجازت لینے کے لئے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

آپ کا یہ غلام خود اپنے آپ کو ذلیل کرنے والا اور عنقریب اپنی قبر میں جانے والا ہے ـــــ کیا میں اس کی گردن ماردوں؟ ـــــ اور کیا میں اس کے خون سے بری ہوں؟

ہشام نے کہا: ہاں اس کی گردن اڑا دو۔

جلاد نے وہی کلمات دہرا کر اجازت طلب کی ـــــ ہشام نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی ـــــ جلاد نے تیسری دفعہ اجازت طلب کی ـــــ ہشام نے تیسری دفعہ بھی اجازت دے دی ـــــ تمام حاضرین یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ لڑکا موت کے بستر پر بیٹھ کر بھی مسکرا رہا ہے۔

ہشام نے کہا اسے کھڑا کرو!

پھر اس نے کہا:

لڑکے! تو زندگی میں جھگڑا کرتا ہے ـــــ اور موت کے بستر پر مسکرا رہا ہے ـــــ سچ سچ بتا کہ تو ہمارا مزاح اڑاتا ہے یا اپنا؟

لڑکے نے کہا:

امیر المؤمنین! میری دو باتیں سن لیں ـــــ اس کے بعد جو چاہیں کریں۔

ہشام نے کہا: کہو۔

لڑکے نے کہا: اللہ کی قسم! یہ میری آخرت کا پہلا اور دنیا کا آخری وقت ہے ـــــ اللہ کی قسم! اگر مدت کم ہو یا موت کا وقت مؤخر ہو جائے تو آپ کے ساتھ ہم کلام ہونا، چاہے کلام تھوڑا ہو یا زیادہ مجھے نقصان دے گا اور نہ ہی فائدہ دے گا ـــــ

لیکن امیر المؤمنین! چند اشعار میرے ذہن میں آئے ہیں وہ سن لیں۔

ہشام نے کہا: سناؤ!

اس نے یہ اشعار پڑھے:

نُبِئْتُ اَنَّ الْبَازَ خَلَّفَ مَرَّةً — عُصْفُوْرَ بَرٍّ سَاقَهٗ مَقْدُوْرٌ

فَتَكَلَّمَ الْعُصْفُوْرُ فِیْ اَظْفَارِهٖ — وَالْبَازُ مُنْهَمِكٌ عَلَیْهِ یَطِیْرُ

مَافِیَّ مَایُغْنِیْ لِمِثْلِكَ شَبْعَةً — وَلَئِنْ اُكِلْتُ فَاِنَّنِیْ لَحَقِیْرٌ

فَتَعَجَّبَ الْبَازُ الْمُدِلُّ بِنَفْسِهٖ — عَجَبًا وَّاُفْلِتَ ذٰلِكَ الْعُصْفُوْرُ

o مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ باز نے جنگل کی چڑیا کو پکڑلیا، جسے تقدیر گھیر کر لے آئی تھی۔

o چڑیا نے اس کے پنجوں میں گفتگو کی، جب کہ باز اسے پکڑے ہوئے محوِ پرواز تھا۔

o میں بہت ہی حقیر ہوں، اگر مجھے کھا بھی لیا جائے تو مجھ میں اتنا گوشت نہیں ہے، کہ تجھ جیسے باز کا پیٹ بھر سکے۔

o باز جسے اپنے اوپر بڑا ناز تھا حیران رہ گیا اور وہ چڑیا اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

ہشام ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا —— اور اس کی گفتگو سے حد درجہ محظوظ ہوا —— کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر تو ابتدا ہی میں مجھے یہ شعر سنا دیتا اور خلافت کے علاوہ جو بھی مانگتا، میں تجھے دے دیتا —— اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کا منہ موتیوں اور جواہر سے بھر دے —— چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی —— اسے عظیم اور قیمتی انعام دیا، نیز دل کش لباس دیا —— اور وہ خوش خوش عزت واحترام سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔

(قصص العرب —— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)



حضرت تمیم داری (۱) رضی اللہ عنہ تجارت کے بڑے ماہر تھے ــــ وہ شام کے شہروں کا سفر کر کے واپس آئے تو حضرت نعیمان (۲) رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے ــــ اور کہنے لگے: کیا آپ ایسا غلام خریدنا چاہتے ہیں؟ جو صاحبِ فضیلت بھی ہے اور دیندار بھی ــــ اور اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ تجارت کا ماہر بھی ہے ــــ حضرت تمیم نے فرمایا: ہاں ــــ میں اسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں؟ ــــ حضرت نعیمان نے کہا کہ جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ ہم اسے بیچ رہے ہیں تو وہ راضی نہیں ہوگا ــــ اور آپ اس سے نفع بھی حاصل نہیں کر سکیں گے ــــ آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو دکھا دیتا ہوں ــــ لیکن اس کے سامنے کوئی بات نہیں ہونی چاہیے ــــ وہ ہمیں اپنی سگی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے ــــ حضرت تمیم نے فرمایا: مجھے دکھا دو، ممکن ہے میں خرید ہی لوں۔

انہیں نعیمان کے معاملات کا علم نہیں تھا ــــ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے ــــ نعیمان نے انہیں ایک بانکا سجیلا اور حسین وجمیل نوجوان دکھایا ــــ جس کے چہرے بشرے سے ذکاوت ٹپک رہی تھی ــــ اس کا نام سویط بن عبدالعزیٰ تھا ــــ تمیم نے اسے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور وہ نوجوان انہیں بہت پسند آیا ــــ فرمایا: یہ غلام کتنے میں بیچو گے؟ ــــ کہنے لگے: ایک سو دینار میں ــــ فرمایا: مجھے منظور ہے ــــ لو سو دینار ــــ اور اب غلام میرے حوالے کرو ــــ نعیمان ان کے ساتھ مسجد میں گئے اور کہنے لگے: اس غلام کو قبضے میں لے لیں۔

حضرت تمیم آئے اور دیکھا کہ غلام نماز پڑھ رہا ہے ــــ آپ نے بھی اس کے پاس نماز پڑھی ــــ اور فرمایا: نماز مختصر کرو ــــ سویط نے جلدی جلدی نماز پوری کی

——انہیں معلوم نہیں تھا کہ تمیم اُن سے کیا چاہتے ہیں؟——انہوں نے کہا: فرمایئے مجھ سے کیا کام ہے؟—— تمیم نے کہا: تمہارے مالک نے تمہیں میرے پاس بیچ دیا ہے ——سویط یہ بات سن کر حیران اور پریشان رہ گئے—— کہنے لگے: میرا مالک کون ہے؟ —— کہا وہی جس نے مجھ سے تمہارے سو دینار وصول کئے ہیں——سویط نے کہا: کون سے سو دینار؟——اور کس نے مجھے بیچا ہے؟——میں تو آزاد ہوں، میرا باپ بھی آزاد ہے——ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کاشانۂ مبارکہ سے باہر تشریف لے آئے——فرمایا: کیابات ہے؟—— تمیم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس غلام کے مالک نے یہ غلام میرے پاس فروخت کیا ہے——اور اس کے بدلے مجھ سے سو دینار بھی وصول کر لئے ہیں—— لیکن یہ صاحب غلام ہونے سے ہی انکاری ہیں——رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا گمان ہے کہ یہ نعیمان ہی کا کام ہے——انہیں ہمارے پاس بلا کر لاؤ۔

جب نعیمان آئے تو فرمایا: بندۂ خدا یہ کیا ہے؟—— کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں! میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے——میرے پاس اسے نان ونفقہ اور حق مہر دینے کے لئے کچھ نہیں تھا——یا رسول اللہ! مجھے وہی ایک سو دینار مل سکے ہیں جو آپ کے علم میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مسکرائے——اور حضرت تمیم کو فرمایا: سو دینار ہم سے لے لینا۔

(الاصابہ—— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

---

(۱) ابو رقیہ تمیم داری ابن اوس بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، پہلے عیسائی تھے، مدینہ منورہ حاضر ہو کر ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوئے، نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوئے، سب سے پہلے آپ ہی نے مسجدوں میں چراغ روشن کئے اور مسجدوں کو منور کیا، پھر شام

منتقل ہو گئے اور فلسطین میں اقامت اختیار کی۔۱۲الاصابۃ بتصرف۔

۲۔نعیمان بن عمرو بن رفاعہ انصاری صحابی ہیں بدر وغیرہ غزوات میں حاضر ہوئے، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کے ساتھ بکثرت مزاح کیا کرتے تھے،ان کے ہنسانے والے مسائل بہت ہیں اور بطور مزاح ان کی زیادتیاں بھی بکثرت ہیں،ان کو نبی اکرم ﷺ برداشت کیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے مال بھی ادا کردیا کرتے تھے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں وفات پائی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۱۲(اصابہ بتصرف۔)

فُکَیْھَہ سے زیادہ باوفا

فُکیھہ ایک خاتون تھی جس کا تعلق قبیلۂ قیس بن ثعلبہ سے تھا—— اس کی وفاداری کا قصہ یہ ہے کہ **سُلَیک بن السُلَکَہ** نے بنوبکر بن وائل کے ساتھ جنگ کی—— بنوبکر کی ایک جماعت اس کے تعاقب میں نکلی—— ایک جگہ انہیں پانی کے کنارے اس کے پاؤں کے نشانات مل گئے—— انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ اسی کے پاؤں کے نشانات ہیں—— وہ لوگ چھپ کر بیٹھ گئے—— جب سُلیک پانی پر آیا تو انہوں نے تیزی سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا—— وہ لوگ اسے قتل کرنا چاہتے تھے—— وہ بھاگ کر **فُکیھہ** نامی عورت کے گھر میں داخل ہو گیا—— اور اسے درخواست کی کہ مجھے دشمنوں سے بچالو—— عربوں کی روایت یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کسی کو پناہ دے دیں تو اس کی بھی بڑی عزت و حرمت ہوتی ہے—— **فُکیھہ** نے اسے پناہ دے دی—— اور اس خوف سے اسے اپنی قمیص کے نیچے داخل کر لیا کہ کہیں دشمن اسے قتل نہ کر دیں—— دشمن بھی پہنچ گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اسے ہمارے حوالے کر دیں—— لیکن خاتون نے صاف انکار کر دیا—— دشمنوں نے اس کی اوڑھنی تک نوچ لی—— اور سُلَیک کو چھیننے کی کوشش کی—— خاتون نے بساط بھر دفاع کیا—— جب اس نے دیکھا کہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے—— تو اس نے اپنے بھائیوں کو بلا لیا—— جو تعداد میں دس تھے، طاقت ور اور دلیر—— انہوں نے اپنی بہن اور اس کے پناہ دینے کے سلسلے میں غیرت کا مظاہرہ کیا—— انہوں نے ثابت کر دیا کہ ہماری بہن کا پناہ دینا، ہمارا پناہ دینا ہے—— انہوں نے جان لڑا دی اور سُلَیک کو دشمنوں کے ہاتھ لگنے نہیں دیا—— دشمنوں نے راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت محسوس کی۔

سُلَیک نے ان کے پناہ دینے کا دل کھول کر شکریہ ادا کیا ـــــــ اور ان کی غیرت کو دل کی گہرائی سے خراجِ تحسین پیش کیا ـــــــ وہ پلٹ کر اپنے قبیلے میں تو چلا گیا ـــــــ لیکن زندگی بھر **فُکیھه** اور اس کے بھائیوں کے پناہ دینے کے گُن گا تا رہا ـــــــ جنہوں نے اسے قتل ہونے سے بچالیا تھا اور دشمنوں کے سپرد نہیں کیا۔

(قصص العرب ـــــــ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

تبصرہ:

فُکیھه نے عربوں کے لئے عموماً اور اپنے قبیلے کے لئے خصوصاً قابل صد ستائش کارنامہ اور لائق ہزار تحسین اور تاریخی واقعہ یادگار چھوڑا ہے ـــــــ جسے لوگ ایک دوسرے سے نقل کرتے رہے ہیں اور نقل کرتے رہیں گے ـــــــ بلکہ اس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے ـــــــ یہاں تک کہ کہا گیا: اَوْفٰی مِنْ فُکَیْهَةَ ـــــــ وہ **فُکیھه** سے زیادہ باوفا ہے۔ (یعنی یہ مقولہ ضرب المثل بن گیا)

امّ دُلامہ مرگئی ـــــ ابودُلامہ مرگیا

ابودلامہ نے عباسی خلیفہ امیرالمؤمنین مہدی کے پاس حاضر ہوکر سلام عرض کیا ـــــ پھر ایک کونے میں بیٹھ گیا، دل گرفتہ اور غم زدہ ـــــ وہ خاموش تھا اور اس کے دونوں رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے ـــــ مہدی نے پوچھا ابودُلامہ کیا ہوا؟ ـــــ تمہیں کیا حادثہ پیش آیا؟ ـــــ اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا کہ اُمّ دلامہ مرگئی ـــــ ام دلامہ مرگئی ـــــ اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ اس نے حاضرین کو بھی رلا دیا ـــــ مہدی نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ـــــ بیوی کی وفات پر اس کے صدمے اور غم کو دیکھ کر مہدی بھی غمگین ہوگیا اور اس پر بھی رقّت طاری ہوگئی ـــــ مہدی نے اسے دلاسہ دیا، اسے حوصلہ بلند رکھنے کی تلقین کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مرحومہ کی تیمارداری کا عظیم اجر عطا فرمائے ـــــ ابودلامہ زاروقطار روئے جارہا تھا ـــــ اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے ـــــ مہدی نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم دیے جائیں ـــــ اور اسے کہا یہ اپنی مصیبت میں صرف کرو ـــــ اس نے درہم لئے اور خیروعافیت کی دعائیں دیتا ہوا چلا گیا ـــــ باہر نکلا تو اس کا جھوٹا غم دور ہو چکا تھا۔

گھر گیا تو ام دُلامہ کو کہا کہ تو مہدی کی بیوی خیزران کے پاس جا ـــــ جاتے ہی رونا شروع کر دینا اور دردوغم کی مجسم تصویر بن جانا اور اسے بتانا:

ابودلامہ مرگیا ـــــ ہائے ابودلامہ مرگیا

ام دلامہ خیزران کے پاس گئی ـــــ اجازت طلب کی، اجازت ملنے پر جونہی سامنے پہنچی اس نے بین شروع کردئے اور یوں ظاہر کیا جیسے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں ـــــ خیزران نے پوچھا: اُمّ دُلامہ تمہیں کیا ہوا؟ ـــــ اس نے سر اٹھایا اور آنسوؤں کی برسات میں ہچکیاں لیتے ہوئے کہا: میری آقا! کیا بتاؤں؟ ابودلامہ مرگیا

——ابودلامہ مجھے بے سہارا چھوڑ گیا——خیزران بھی غمگین ہوگئی——اس نے کہا:
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ——لاحول ولاقوۃ الا باللہ——اللہ تمہیں شوہر کی خدمت کرنے کا اجر عظیم عطا فرمائے——اس کے رنج والم کو دیکھ کر وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی——اس نے حکم دیا کہ اسے دو ہزار درہم عطا کئے جائیں——درہم لے کر اس نے شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیتی ہوئی واپس چلی گئی——شاہی محل سے نکلتے ہی اس کے چہرے پر غم اور صدمے کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد مہدی محل میں داخل ہوا تو حزن وملال کے آثار اس کے چہرے پر صاف نظر آرہے تھے——خیزران نے اسے کہا: میرے آقا!—— کیا آپ کو معلوم ہے؟ کہ آج ابودلامہ فوت ہوگیا ہے——مہدی نے کہا: میری پیاری ملکہ !وہ نہیں اس کی بیوی ام دلامہ فوت ہوگئی ہے——اس نے کہا: نہیں جناب! اللہ کی قسم! ابودلامہ فوت ہوا ہے——اس کی بیوی روتی ہوئی میرے پاس آئی تھی، میں نے اسے دو ہزار درہم دئے——وہ بری طرح رو رہی تھی اور ابودلامہ پر نوحہ کر رہی تھی——میں نے اسے درہم دئے تو وہ ہمیں دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

مہدی کو یہ واقعہ سن کر سخت تعجب ہوا——اس نے کہا کہ ابودلامہ آج ہی میرے پاس آیا تھا اور ابھی مجھ سے رخصت ہو کر گیا ہے——بالکل تندرست اور توانا تھا ——مجھ سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک ہزار درہم لے کر گیا ہے—— اور میں اب تک اس کی بیوی کی وفات پر افسوس کرتا رہا ہوں۔

اور اب مجھے خود اس کی موت کی خبر دی جارہی ہے——میرا گمان ہے کہ وہ دونوں اس وقت ہنس رہے ہوں گے——اور اپنے کارناموں پر فخر کر رہے ہوں گے ——ان دونوں کو بڑی رقم مل گئی ہے——اور ان کے غم خوشیوں میں تبدیل ہوگئے ہیں——یہ سوچ کر مہدی اور خیزران بھی بے ساختہ ہنس پڑے——اور ان کے مضحکہ خیز حیلوں پر تعجب کرنے لگے۔(المحاسن والمساوی—— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

ازہر السمان اور منصور

ازہر سمان نامی ایک شخص نے خلیفۂ وقت منصور کے پاس حاضر ہو کر فقر و فاقہ اور بدحالی کی اس مؤثر انداز میں شکایت کی کہ منصور پر بھی رقت طاری ہو گئی ـــــ اس نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم دے دئے جائیں ـــــ اور حکم دیا کہ ازہر! آئندہ کبھی بھی حاجت لے کر ہمارے پاس نہ آنا ـــــ اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی ـــــ لیکن دوسرے دن پھر منصور کے دربار میں حاضر ہو گیا ـــــ اس نے پوچھا: ازہر! آج کیا کام ہے؟ ـــــ اس نے کہا: میں امیر المؤمنین کو دعا دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں ـــــ منصور مسکرایا اور کہنے لگا: آج بھی تمہارا وہی مقصد ہے جو کل تھا ـــــ حکم دیا کہ اسے مزید ایک ہزار درہم دے دئے جائیں ـــــ اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ ازہر! تیسری بار مت آنا! ہمیں تمہاری دعا کی حاجت نہیں ہے ـــــ اس نے کہا: حضور نے بجا فرمایا۔

چند دن کے بعد وہ پھر دربار میں حاضر ہو گیا ـــــ اسے دیکھ کر منصور کو تعجب ہوا ـــــ پوچھا کہ ازہر! کس کام سے آئے ہو؟ ـــــ اس نے کہا: میں نے آپ سے ایک دعا سنی تھی ـــــ میری آرزو ہے کہ وہ دعا آپ سے حاصل کروں، کیونکہ وہ مقبول ہے ـــــ منصور نے ہنستے ہوئے کہا: تم وہ دعا نہ مانگنا ـــــ کیونکہ وہ نامنظور ہے ـــــ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھے تمہاری شکل دوبارہ نہ دکھائے ـــــ لیکن یہ دعا منظور نہ ہوئی ـــــ ایک دفعہ پھر تمہاری شکل دیکھ رہا ہوں۔ ازہر چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔

(المحاسن والمساوی ـــــ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

شیر کا قاتل

جحدر بن ربیعہ نادرِ زمانہ دلاور اور اپنے دور کا نامور ڈاکو تھا——اس نے اہل یمامہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا——اس نے ان سے دن کا سکھ چین اور رات کا آرام وسکون چھین لیا تھا——وہ اتنا تیز طرار تھا کہ قابو میں نہ آتا تھا——یمامہ کے امیر نے کسی حیلے بہانے سے اسے گرفتار کرلیا——اور حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بھیج دیا——تا کہ اس کو سزا دے کر اپنے دل کی پیاس بجھا لے——اور جو چاہے اسے سزا دے۔

جحدر کی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کی خبروں نے حجاج کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی——جب جحدر گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا اور لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے——وہ اس ہیبت ناک درندے کو دیکھنا چاہتے تھے جس کا شہرہ چار دانگ عالم میں پہنچ گیا تھا——وہ خوں ریز اور خونخوار جس کا نام سن کر لوگ کانپ جاتے تھے——لیکن اسے دیکھ کر انہیں انتہائی مایوسی ہوئی——ان کے سامنے لمبا تڑنگا، نحیف ونزار اور چھوٹے سر والا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا، جسے کوئی بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھا——اس کی کیفیت وہی تھی ((تَسْمَعُ بِالْمُعَیدِیِّ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَرَاهُ)) معیدی سننے کی چیز ہے دیکھنے کی نہیں۔

جب وہ حجاج کے سامنے پیش ہوا تو حجاج نے اسے بنظر حقارت دیکھتے ہوئے کہا:

کیا تو جحدر ہے؟

اس نے باوقار اور ٹھہرے ہوئے لہجے، پورے اطمینان اور فصاحت کے ساتھ کہا:

جی ہاں! میں ہی جحدر بن ربیعہ ہوں۔

حجاج نے دوسرا سوال یہ کیا کہ جحدر! تمہیں ہمارے خلاف کس چیز نے جری کر دیا؟

حجاج کا گمان تھا کہ وہ خوف زدہ ہو جائے گا، نرم ہو جائے گا، ذلت اور جھکاؤ اختیار کرے گا اور معذرت کا راستہ اپنائے گا (یاد رہے کہ وہ دنیا بھر کے ظالم ترین شخص کے سامنے کھڑا تھا، جس نے ایک لاکھ سے زیادہ افراد کو اپنے سامنے قتل کروایا تھا ——— وہ نفسیاتی مریض تھا اور مقتول کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا تھا) ——— لیکن جحدر جیسا جہاں دیدہ گرگ باراں اور دلاور بالکل متاثر نہیں ہوا ——— نہ اس میں کسی طرح کی لچک پیدا ہوئی اور نہ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی ——— اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

وَاللّٰہِ مَا اَخْرَجَنَا عَلَیْکُمْ اِلَّا جُوْرُ الزَّمَانِ وَجُرْاَةُ الْجَنَانْ وَظُلْمُ السُّلْطَانِ٥

اللہ کی قسم! ہمیں آپ کے خلاف نکالا ہے تو زمانے کے ظلم، دل کی جرأت اور حاکمِ وقت کے ظلم نے۔

حجاج یہ جواب سن کر دہل گیا ——— اسے اتنے کھرے جواب کی توقع نہیں تھی ——— اس نے محسوس کیا کہ یہ شخص موت کو تو کسی حساب ہی میں نہیں لاتا۔

حجاج: تجھے معلوم ہے؟ کہ تیرے معاملے کا انجام کیا ہے؟

جحدر: اگر امیر میرا امتحان لے اور مجھے اپنے شاہ سواروں میں شامل کرلے تو مجھ سے وہ کچھ دیکھے گا جو اسے ششدر کر دے گا۔

حجاج: ہم تمہارا تجربہ کر کے دیکھیں گے ——— لیکن یہ انوکھا تجربہ ہوگا جس کی کوئی مثال نہیں ہوگی۔

جحدر: آپ جو چاہتے ہیں حکم دیں۔

حجاج: یہ ایک سنگ دلانہ تجربہ ہے ——— لیکن میدانِ جنگ میں نہیں۔

جحدر: پھر تو یہ بہت آسان ہوگا۔

حجاج: اس کی جرأت و ہمت پر حیران رہ گیا ـــــ کہنے لگا: لیکن یہ تجربہ کسی انسان کے ساتھ نہیں ہے۔

جحدر: خوف زدہ ہوئے بغیر، مسکراتے ہوئے کہنے لگا: پھر کسی جن کے ساتھ ہو جائے۔

حجاج: یہ مقابلہ جن کے ساتھ بھی نہیں ہے ـــ مقابلہ ایک خونخوار شیر کے ساتھ ہوگا ـــ جحدر! ہم تمہیں اچانک حملہ کرنے والے اور غضب ناک شیر کے آگے ڈالیں گے ـــــ تمہارے پاس سوائے تلوار کے کچھ نہیں ہوگا ـــــ اگر اس نے تمہیں قتل کر دیا تو ہم تمہارے قتل کی مشقت سے چھوٹ جائیں گے ـــــ اور تم اپنی کچھ سزا پالو گے ـــــ اور اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔

یہ سن کر جحدر کا چہرہ چمک اٹھا ـــــ اس کے چہرے سے مسرت و شادمانی کی کرنیں نمودار ہونے لگیں ـــــ جیسے وہ کسی شادی کے ولیمے میں جا رہا ہو ـــــ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر کو بہتری عطا فرمائے! ـــــ رہائی اور معافی کا وقت قریب آ گیا ہے۔

جحدر کی جرأت و ہمت اور خود اعتمادی نے حجاج کو مزید حیران کر دیا ـــــ اس نے حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے ـــــ اور یمن حکم بھیجا کہ میرے پاس خطرناک قسم کا شیر بھجوایا جائے ـــــ تاکہ جحدر کو اس کے آگے ڈالا جائے ـــــ شیر لایا گیا اور اسے تین دن بھوکا رکھا گیا ـــــ تاکہ اس کے غیظ و غضب میں اضافہ ہو جائے ـــــ اعلان عام کر دیا گیا کہ فلاں دن جحدر اور شیر کا مقابلہ ہوگا ـــــ جو دیکھنا چاہے آ جائے ـــــ دور دراز سے لوگ کھنچے چلے آئے ـــــ گرمی کا موسم اور چاشت کا وقت تھا ـــــ سورج کی شعاعیں ان کے جسموں پر اس طرح پڑ رہی تھیں جیسے انگاروں کی طرح جلتی ہوئی تانبے کی تاریں ہوں ـــــ لیکن لوگ بڑے گڑھے کے گرد سراپا شوق بنے

ہوئے جمع تھے ـــــ انہیں نہ گرمی کی پرواتھی اور نہ ہجوم سے تنگ تھے ـــــ انہوں نے ایسا تماشا زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا ـــــ ان کے جوش وخروش کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عید کا موقع ہو۔

ایک بلند ٹیلے پر حجاج، اس کے کمانڈروں، امراء اور وزراء کے لئے تخت بچھائے گئے ـــــ اچانک معلوم ہوا کہ جحدر بجلی کی طرح شیر پر جا گرا ہے ـــــ شیر پوری قوت کے ساتھ دھاڑا ـــــ جحدر نے جواباً ویسی ہی آواز نکالی ـــــ اب شیر اس پر عقاب کی طرح جھپٹا ـــــ جحدر تلوار لہراتے ہوئے اپنی جگہ جم کر کھڑا رہا ـــــ اب ایک لمحے کی بات تھی، جو اس میں پہل کر جاتا کامیاب رہتا ـــــ جحدر پھرتی کے ساتھ وار کرنے میں پہل کر گیا ـــــ اس کی آب دار تلوار شیر کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی گزر گئی ـــــ شیر ایک دفعہ پھر دھاڑا ـــــ لیکن اس دفعہ اس کے دھاڑنے میں طاقت کے ساتھ رونے کی آواز بھی شامل تھی ـــــ یہ اتنا سنسنی خیز مقابلہ تھا کہ لہو دیکھنے والوں کی رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا ـــــ اچانک کسی نے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا ـــــ ماحول یک دم بدل گیا ـــــ جو لوگ جحدر کے دشمن تھے وہ دوست بن گئے ـــــ اور جو اس پر ناراض تھے وہ اس پر فخر کرنے لگے۔

جحدر ایک لمحہ میدان میں ٹھہرا ـــــ بائیں ہاتھ سے پیشانی کا پسینہ پونچھا ـــــ اور حجاج کی طرف چل دیا ـــــ حجاج نے اسے شاباش دینے کے لئے اپنے پاس بلایا ـــــ جب وہ حجاج کے پاس پہنچا تو اس نے جحدر کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھا ـــــ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے بھینچا ـــــ اور کہا:

لِلّٰهِ مَا اَشْجَعَکَ یَا جَحْدَرُ مَا اَشْجَعَکَ

اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت ہے ـــــ جحدر تم کتنے بہادر ہو؟ ـــــ واقعی تم بہت

ہی بہادر ہو۔

میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو عزت و تکریم کے ساتھ میرے پاس ٹھہرو ——— اور اگر چاہو تو میں تمہیں یمامہ بھجوا دیتا ہوں ——— لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ تم کسی کو اذیت نہ دو ——— اور کسی جرم کا ارتکاب نہ کرو۔

جحدر نے کہا: اے امیر! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے! میں آپ کے پاس قیام کرنے پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دوں گا ——— میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں نافرمانوں اور باغیوں کے خلاف آپ کی برہنہ تلوار بنوں گا۔

حجاج اس کی بات پر بہت خوش ہوا ——— اس نے صاف محسوس کیا کہ اسے جحدر کی صورت میں مضبوط طاقت مل گئی ہے جو اسے سرنگوں نہیں ہونے دے گی ——— جحدر عزت واحترام کے ساتھ حجاج کے پاس رہا ——— حجاج نے اس کی بہترین تربیت کی، یہاں تک کہ وہ کارآمد انسان بن گیا۔

چند سال کے بعد یمامہ میں شورش پیدا ہوگئی ——— وہاں کے لوگ سرکشی دکھانے لگے ——— حجاج کو جحدر سے بہتر کوئی آدمی دکھائی نہ دیا، چنانچہ اسے یمامہ کا گورنر بنا دیا ——— اس نے نافرمانوں کو سیدھا ——— باغیوں کو نکیل ڈال دی ——— اور وہاں کا سیاسی نظام سیٹ کر دیا ——— جانوں اور مالوں کی حفاظت اور عدالت میں لوگوں کے لئے ایک مثال بن گیا ——— اور حجاج کی امیدوں کو پورا کر دیا۔

علم کے لئے ایک ساعت کی ذلت

قیامت تک کے لئے عزت

طلباءِ علم کو مستعد بنانے کے لئے اصمعی (۱) اپنی زندگی کا ایک ورق الٹتے ہیں ـــــ میں طالب علمی کے زمانے میں محتاج اور نادار تھا ـــــ ہمارے دروازے پر ایک سبزی فروش تھا ـــــ میں جب صبح جاتا تو وہ مجھے روک کر پوچھتا تھا: کہاں جا رہے ہو؟ ـــــ میں کہتا: فلاں محدث کے پاس ـــــ اور جب شام کو واپس آتا تو مجھ سے پوچھتا: کہاں سے آئے ہو؟ ـــــ میں اسے بتاتا کہ فلاں مؤرخ یا ماہر لغت کے پاس سے آرہا ہوں ـــــ وہ مجھے کہتا: برخوردار! میری نصیحت مان لو اور اس پر عمل کرو، کامیاب رہو گے ـــــ تم اپنے آپ کو ضائع نہ کرو ـــــ تم کوئی ذریعۂ معاش تلاش کرو، اس کا تمہیں فائدہ ہوگا ـــــ تمہارے پاس جتنی کتابیں وہ سب مجھے دے دو ـــــ میں وہ سب اس مٹکے میں ڈال کر اوپر سے پانی ڈال دوں گا ـــــ میں ان کا نبیذ بناؤں گا اور دیکھوں گا کہ ان سے کیا بنتا ہے؟ ـــــ اللہ کی قسم! اگر تم اپنی تمام کتابوں کے بدلے مجھ سے ایک اخروٹ مانگو تو میں وہ بھی نہیں دوں گا۔

میں جب بھی اس کی گفتگو سنتا تو اس کے بیہودہ کلام اور ٹھنڈی نصیحت سے بہت تنگ دل ہوتا ـــــ اس نے یہ وطیرہ بنالیا تھا کہ جب بھی میں جاتا یا آتا تو وہ مجھے یہی نصیحت کرتا ـــــ یہاں تک کہ میں نے تنگ آکر رات کے وقت جانے آنے کا معمول بنا لیا تاکہ اس کا سامنا ہی نہ ہو ـــــ دوسری طرف میری ناداری دن بدن بڑھتی رہی ـــــ حتّی کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں نے اپنے گھر کی کچھ اینٹیں اور لکڑیاں بیچ دیں ـــــ مجھے روزانہ کا پورا خرچ میسر نہیں ہوتا تھا ـــــ میرے بال لمبے لمبے ہو گئے ـــــ

کپڑے پرانے ہوگئے ـــــ جسم میل کچیل سے بھر گیا ـــــ اتنی آمدن بھی نہیں تھی کہ ضروریات ہی پوری کرلوں۔ میں اپنے معاملے میں حیران تھا ـــــ میری اتنی حیثیت بھی نہ تھی کہ میں اپنا کام چلانے کے لئے کہیں سے قرض ہی حاصل کرلوں ـــــ کیا بے کسی اور بے بسی تھی؟

اچانک امیر محمد بن سلیمان کا خادم میرے پاس آیا ـــــ اور کہنے لگا: جنابِ امیر نے آپ کو یاد کیا ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ امیر اس شخص کو کیا کرے گا؟ جو فقر و فاقہ اور افلاس کی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔

جب اس خادم نے میری خستہ حالی اور بدحالی دیکھی تو جا کر امیر کو اطلاع دی ـــــ کچھ دیر کے بعد واپس آیا، اس کے پاس کپڑوں کا بیگ اور خوشبوؤں کی صندوقچی تھی ـــــ کہنے لگا: امیر نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو حمام میں لے جاؤں ـــــ اور غسل کے بعد آپ کو نئے کپڑے پہناؤں ـــــ باقی کپڑے آپ کے سپرد کردوں ـــــ اور آپ کو یہ کھانا کھلاؤں ـــــ میں نے دیکھا کہ بڑے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے ہیں ـــــ اور آپ کو یہ عمدہ خوشبو لگاؤں ـــــ تاکہ آپ کی روح تروتازہ ہوجائے ـــــ پھر میں آپ کو امیر کے پاس لے چلوں۔

میں یہ بات سن کر بہت خوش ہوا ـــــ اور اس کے لئے دل کی گہرائی سے دعا کی ـــــ اور میں نے اپنے دل میں کہا: پاک ہے وہ جس نے نہایت تنگ حالات میں اسے میرا معاون بنادیا ہے۔

میں نے اٹھ کر وہ سب کام کئے جو اس نے کہے تھے ـــــ اور ان کاموں سے فارغ ہوکر اس کے ساتھ روانہ ہوا اور امیر محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا ـــــ میں نے اسے سلام کیا ـــــ وہ بڑے تپاک سے ملا اور مجھے اپنے قریب بٹھالیا ـــــ اس نے

مجھے اونچی سیٹ پر بٹھایا—اور کہنے لگا:

اے عبدالملک! میں نے آپ کو امیرالمؤمنین ہارون الرشید کے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لئے منتخب کیا ہے—— آپ دربار شاہی میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو جائیں اور دیکھیں کیا ہوتا ہے؟—— میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے لئے دعا کی ——اور رخصت ہوتے ہوئے کہا کہ میں تعمیل کے لئے تیار ہوں—— میں اپنی کچھ کتابیں لے لوں، پھر امیرالمؤمنین کے پاس حاضر ہو جاؤں گا—— میں نے ضروری کتابیں لیں اور محمد بن سلیمان کے قاصد کے ہمراہ بغداد روانہ ہو گیا—— ہارون الرشید کے دربار میں پہنچ کر میں نے سلام کیا—— انہوں نے مجھے جواب دیا۔

اور کہا: آپ عبدالملک اصمعی ہیں؟

میں نے کہا: جی ہاں

انہوں نے کہا: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی اولاد اس کے دل کی روح اور دل کا پھل ہوتی ہے—— میں نے اپنا بیٹا محمد آپ کے سپرد کیا—— یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے—— آپ اسے ایسی تعلیم نہ دیں جو اس کے دین کو بگاڑ دے—— ہو سکتا ہے کہ یہ کسی وقت مسلمانوں کا امام بنے۔

اصمعی کو ہارون الرشید کی یہ بات سن کر تعجب ہوا کہ ''آپ اسے ایسی تعلیم نہ دیں جو اس کے دین کو بگاڑ دے''—— انہوں نے اپنے دل میں کہا: بادشاہوں کا اپنے بیٹوں کے لئے ایسا ہی اہتمام ہونا چاہیے—— تاکہ وہ اپنے بزرگوں کے طریقے پر تیار ہوں اور لوگوں کو نفع دیں۔

اصمعی کہتے ہیں: میں نے کہا: حکم کی تعمیل کی جائے گی۔

ہارون الرشید نے اپنا بیٹا میرے سپرد کر دیا—— میں اس کے ساتھ ایک حویلی

میں منتقل ہو گیا جس میں کئی قسم کے خوش کن خدّام اور طرح طرح کے بستر تھے —— ہارون الرشید نے ہر ماہ میرا مشاہرہ دس ہزار درہم مقرر کیا —— اور حکم دیا کہ ہر دن میرے لئے پر تکلف کھانا پیش کیا جائے —— میں نے یہ سب کچھ قبول کر لیا —— میرے پاس جو مال جمع ہوتا تھا وہ میں وقتاً فوقتاً بصرہ بھیج دیتا تھا —— اس طرح میں نے اپنا گھر تعمیر کیا —— اور اس کے علاوہ جائداد بھی خرید لی۔

شہزادہ فقہ، ادب، شعر و سخن اور لغت میں کمال کو پہنچا —— عربوں کی تاریخ پر بھی اسے عبور حاصل ہو گیا —— ہارون الرشید نے اس کا امتحان لیا اور خوش ہوا۔

ایک دن کہا: عبدالملک! میں چاہتا ہوں کہ یہ جمعہ کے دن امامت کرائے —— اور جمعہ سے پہلے خطبہ بھی دے —— اس لئے آپ اس کو ایک خطبہ تیار کر دیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن شہزادے نے خطبہ دیا اور نماز بھی پڑھائی —— ہارون الرشید اس پر بھی بہت خوش ہوا —— ہر طرف سے میرے پاس ہدیے اور تحفے آئے۔

پھر ہارون الرشید نے اپنے نمائندے کو میرے پیچھے بھیجا اور کہا:

آپ نے شہزادے کی بہت اچھی تربیت کی ہے —— مانگیں! کیا مانگتے ہیں؟

میں نے کہا: اب میں کس چیز کی آرزو کروں؟ —— میں تو پہلے ہی اپنی آرزوؤں کو حاصل کر چکا ہوں —— ہارون الرشید کے حکم پر مجھے ڈھیروں مال، بہت سے کپڑے، عمدہ خوشبوئیں، غلام اور لونڈیاں دی گئیں —— یہاں تک کہ مجھے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا۔

میں نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت عطا فرمائیں —— نیز وہاں کے گورنر کو تحریری طور پر یہ حکم صادر فرمائیں کہ وہ بصرہ کے تمام عوام اور خواص کو اس بات کا پابند کریں کہ وہ تین دن تک آ کر مجھے سلام کریں —— اور اس کے بعد میرے

ساتھ احترام سے پیش آئیں۔

ہارون الرشید نے میری درخواست کے مطابق حکم لکھ دیا ——— پھر میں بصرہ روانہ ہو گیا ——— میرا گھر تعمیر کیا جا چکا تھا ——— میری جائداد وسیع تھی ——— اور میری دولت کا چرچا عام تھا ——— بصرہ کا کوئی شخص ایسا نہ رہا جو مجھے سلام کرنے حاضر نہ ہوا ہو ——— تیسرے دن میں نے آنے والوں کو غور سے دیکھا ——— اچانک میری نظر اس سبزی فروش پر پڑی جو مجھے علم حاصل کرنے پر ملامت کیا کرتا تھا ——— اس کے کپڑے میلے، اوڑھنے والی چادر بوسیدہ، جبہ چھوٹا اور قمیص لمبی تھی۔

اس نے مجھے کہا:

عبدالملک تمہارا کیا حال تھا؟

اس نے مجھے زمانہ ماضی کا فقر اور افلاس یاد دلایا ——— میں نے اس کی نصیحت کو یاد کیا کہ وہ کس طرح مجھے علم کے چھوڑنے کا مشورہ دیا کرتا تھا ——— مجھے اس کی حماقت اور اس بات پر ہنسی آئی کہ اس نے مجھے نام لے کر مخاطب کیا ——— جب کہ خلیفہ ہارون الرشید بھی میرا نام (عبدالملک) لے کر خطاب کیا کرتا تھا۔

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں خیریت کے ساتھ تھا ——— میں نے آپ کی وصیت قبول کر لی تھی ——— اور آپ کے کہنے کے مطابق اپنی تمام کتابوں کو مٹکے میں ڈال کر اوپر پانی ڈال دیا تھا ——— اور اس میں سے جو کچھ نکلا وہ آپ سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

پھر میں نے بعد میں اس پر احسان کیا ——— اسے اپنا وکیل بنا لیا اور اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا۔

(الفرج بعد الشدة ——— للتنوخی)

تبصرہ:

یہ اس حقیقت کی بڑی دلیل ہے کہ اگرچہ طالب علم کو ابتدائی دور میں رزق کی کمی سے واسطہ پڑتا ہے ـــــ لیکن اس کے لئے مقرر کیا ہوا رزق موت کی طرح لازماً آتا ہے ـــــ اس کے لئے صبر ضروری ہے تاکہ اسے ثواب حاصل ہو اور اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے۔

شاعر نے سچ کہا ہے:

وَمَنْ يَّصْطَبِرْ لِلْعِلْمِ يَحْظَ بِنَيْلِهٖ
وَمَنْ يَّخْطُبِ الْحَسْنَاءَ يَصْبِرْ عَلَى الْبَذْلِ
وَمَنْ لَّمْ يُذِلَّ النَّفْسَ فِيْ طَلَبِ الْعُلَا
يَسِيْرًا اَيَّعِشْ دَهْرًا طَوِيْلًا اَخَاذُلِّ

- جو شخص علم کے لئے صبر کرتا ہے وہ علم کے حاصل کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ اور جو شخص کسی حسینہ کو پیغامِ نکاح دیتا ہے وہ خرچ پر صبر کرتا ہے۔
- اور جو شخص بلندیوں کی طلب میں اپنے آپ کو تھوڑی دیر ذلیل نہیں کرتا وہ طویل عرصہ ذلیل ہو کر زندہ رہتا ہے۔

---

(۱) ابو سعید عبدالملک بن قُریب بن علی بن اصمع الباھلی عرب کے عظیم راوی، لغت، شعر اور شہروں کا علم رکھنے والے علماء کے امام تھے، جنگلوں اور دیہاتوں میں بکثرت گھومتے رہتے تھے۔ ہارون رشید انہیں ''شیطان الشعر'' کہا کرتا تھا، اخفش کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی سے بڑا شعر کا عالم نہیں دیکھا، لغت اور شعر کے امام تھے، حافظہ غضب کا رکھتے تھے۔ ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

آباد محل کس کام کا؟

ایک دن مامون الرشید اپنے محل کی چھت پر گیا——کیا دیکھتا ہے؟ کہ ایک شخص کوئلے کے ساتھ محل کی دیوار پر کچھ لکھ رہا ہے——اس نے اپنے ایک نوکر کو حکیم دیا: جا کر دیکھو یہ شخص کیا لکھ رہا ہے؟——او سے پکڑ کر میرے پاس لاؤ——نوکر دوڑتا ہوا گیا اور اسے پکڑ لیا——پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟——دیوار کی طرف دیکھا تو اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

یَـا قَـصْـرُ جُـمِّـعَ فِیْکَ الشُّـؤْمُ وَاللُّـؤْمُ
مَتٰـی یُـعَشِّـشُ فِـیْ اَرْکَـانِکَ الْبُوْمُ

اے محل! تیرے اندر نحوست اور کمینگی جمع کی گئی ہے——تیرے گوشوں میں اُلّو کب تک گھونسلہ بناتا رہے گا؟

خادم: تمہیں امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔

اجنبی: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے ان کے پاس نہ لے جاؤ!

خادم: تمہیں جانا پڑے گا۔

پھر اسے لے کر مامون کے پاس پہنچ گیا——جب یہ اجنبی اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے کہا: کم بخت! تجھے اس حرکت پر کس چیز نے ابھارا؟——اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ جانتے ہیں کہ اس محل میں کیا کچھ ہے؟——اس میں اموال کے خزانے، پوشاکیں، کھانے پینے کی انواع، بستر اور قالین، دوسرا ساز وسامان، لونڈیاں، خدّام اور لڑکے وغیرہ ہیں——میں اس وقت اس کے پاس سے گزرا ہوں تو مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے اور میں بہت ہی تنگدست ہوں——میں نے یہاں کھڑے ہو کر

اپنے بارے میں سوچا اور اپنے دل میں کہا: میں بھوکا ہوں، یہ آباد محل میرے کس کام کا؟ ——— اگر یہ ویران ہوتا اور میرا یہاں سے گزر ہوتا تو مجھے کوئی لکڑی ہی مل جاتی، پتھر مل جاتا یا کوئی کیل ہی مل جاتا جسے بیچ کر میں اپنی بھوک مٹا سکتا تھا ——— کیا امیر المؤمنین کو شاعر کا یہ قول معلوم نہیں ہے؟

اِذَالَمْ یَکُنْ لِلْمَرْءِ فِیْ دَوْلَةِ امْرِیءٍ
نَصِیْبٌ وَّلَاحَظٌّ تَمَنّٰی زَوَالَهَا
وَمَاذَاکَ مِنْ بُغْضٍ لَّهَا غَیْرَاَنَّهٗ
یُرَجِّیْ سِوَاهَا فَهُوَیَهْوِیْ انْتِقَالَهَا

o جب کسی شخص کے لئے کسی مرد کی دولت میں حصہ اور نصیب نہ ہو تو وہ اس کے زوال کی آرزو کرے گا۔

o یہ اس لئے نہیں کہ اسے اس دولت سے دشمنی ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اس کے ماسوا سے امید رکھتا ہے (یعنی اسے اس دولت والے سے فائدے کی امید نہیں ہاں کسی دوسرے کے پاس چلی جائے تو ممکن ہے فائدہ حاصل ہو جائے) لہذا وہ چاہتا ہے کہ کسی دوسرے کے پاس چلی جائے۔

مامون نے اس شخص کی گفتگو سنی تو مسکرایا ——— اسے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص ادیب ہے اور محرومیت کا شکار ہے ——— بھوک اور ناداری نے اس کی ہڈیوں تک کو متاثر کر دیا ہے ——— اس نے ارادہ کیا کہ اس کی ناداری کا علاج ہونا چاہیے ——— غلام کو حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم پیش کرو ——— پھر کہا کہ جب تک ہمارا محل اپنے باشندوں کے ساتھ آباد اور اپنی دولت کے ساتھ مسرور رہے گا آپ کو ہر سال یہ رقم ملتی رہے گی۔ (دعا لینے کا کیا خوبصورت انداز ہے؟)

[مجانی الادب ج ۲ ص ۱۸۷ ——— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ]

تبصرہ:

یہ کیسے سلاطین اور امراء تھے؟ ——— کس طرح فقراء اور مساکین پر شفقت کیا کرتے تھے؟ ——— خصوصاً جب ادیبوں اور طالب علموں کی ذکاوت اور غیر معمولی استعداد دیکھتے تھے تو انہیں مالی امداد دیتے تھے تاکہ وہ اپنی دنیاوی ضروریات پوری کرلیں ——— اس طرح وہ علمی ترقی اور ادبی تحریک کی سرپرستی کرتے تھے۔

تبصرہ (۲):

آج بھی اربابِ اقتدار ادیبوں، کالم نگاروں، دانشوروں اور عالموں کو نوازتے ہیں، لیکن وہ ان کے استحقاق (اور میرٹ) کو نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا حامی ہے یا اسے حامی بنایا جاسکتا ہے یا اس کے پیچھے مؤثر سفارش ہے۔ مولانا قاضی عبدالنبی کوکب قدیم اور جدید علوم کے جامع اور بےباک خطیب تھے جب وہ حکومت پر تنقید کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ایوانِ حکومت تک دھمک پہنچ رہی ہے، انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ صحیح عالم وہ ہے جسے خریدنے کے لئے حکومت کے خزانے میں سرمایہ نہ ہو۔ ۱۲ اشرف قادری

تم اس لئے غالب آ گئے کہ

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تھا

جب ایرانیوں کا عظیم کمانڈر ہرمزان (1) اپنی قوم کے ساتھ مدینہ منورہ آیا تو اس کے سر پر سونے کا تاج تھا ——— اس نے ریشم اور دیباج کا لباس پہن رکھا تھا جس پر سونے کے تاروں کی کڑھائی کی ہوئی تھی ——— حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کے لئے ان کے گھر گیا تو ان سے ملاقات نہ ہو سکی ——— پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ مسجد میں کوفہ سے آئے ہوئے ایک وفد سے ملاقات کر رہے ہیں ——— مسجد میں گئے تو امیر المؤمنین وہاں بھی نہیں تھے ——— واپسی پر مدینہ منورہ کے کچھ بچوں سے ملاقات ہوگئی جو کھیل رہے تھے ——— انہوں نے پوچھا: کیا آپ امیر المؤمنین سے ملنا چاہتے ہیں؟ ——— وہ مسجد نبوی کی دائیں جانب اپنی چادر کا تکیہ بنا کر آرام فرما رہے ہیں ——— جب بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس کوئی بھی نہیں ہے ——— حیرت کی بات یہ کہ مسجد میں بھی کوئی نہیں تھا ——— دِرّۂ فاروقی ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

ہرمزان: عمر کہاں ہیں؟

حاضرین: یہ جو تمہارے سامنے آرام فرما ہیں۔

ہرمزان: ان کے محافظ اور دربان کہاں ہیں؟

حاضرین: ان کا کوئی محافظ اور دربان نہیں ہے، نہ ہی ان کا کوئی دفتر ہے۔

ہرمزان انگشت بدنداں رہ گیا کہ دنیا کی دو سپر طاقتوں کو چیلنج کرنے والا یوں تن تنہا زمین پر آرام کر رہا ہے ——— نہ قالین کی حاجت، نہ سیکورٹی کی ضرورت، بے ساختہ

پکار اٹھا کہ انہیں تو نبی ہونا چاہیے۔

حاضرین: یہ نبی تو نہیں ہیں، نبیوں والے کام ضرور کرتے ہیں۔

لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا ـــــ ان کی ملی جلی آوازیں سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے ـــــ ہرمزان کو دیکھا تو فرمایا: ہرمزان ہو؟ ـــــ حاضرین نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپ نے اسے اور اس کے لباس کو غور سے دیکھا اور چند کلمات ارشاد فرمائے، جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

میں اہل نار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ـــــ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں ـــــ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اسلام کے ذریعے اسے (ہرمزان) اور اس کے ساتھیوں کو ذلیل کیا ـــــ اے گروہ مسلمین! تمہیں دنیا ہرگز ناشکرا نہ بنا دے ـــــ کیونکہ یہ دھوکہ دینے والی ہے۔

وفد نے کہا: یہ اہواز کا بادشاہ ہے ـــــ اس کے ساتھ گفتگو فرمائیں۔

فرمایا: اس سے اس وقت تک گفتگو نہیں ہوگی جب تک اس کے زیورات میں سے کوئی چیز موجود ہے ـــــ زیب و زینت کا تمام سامان اتار دیا گیا ـــــ صرف اتنا لباس رہنے دیا گیا جو اس کے جسم کو ڈھانپ سکے ـــــ نیز اسے موٹا کپڑا پہنایا گیا۔

تب آپ نے فرمایا: ہرمزان! بتاؤ! تم نے عہد شکنی کا وبال اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انجام کیسا پایا؟ ـــــ بولو!

ہرمزان: زندوں والی گفتگو کروں یا مردوں والی؟

امیر المؤمنین: تو بات کر تجھ پر کچھ حرج نہیں ہے۔

ھرمزان: اے عمر! اے گروہ عرب! جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں اپنے حال

پر چھوڑ دیا تھا تو ہم تمہیں قتل کرتے تھے —— کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ —— لیکن اب؟؟

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تھا —— اس لئے ہمارے بازوؤں میں جان نہ رہی۔

فاروقِ اعظم نے فرمایا: دور جاہلیت میں تم ہم پر اس لئے غالب تھے کہ تم مجتمع تھے —— اور ہم بکھرے ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر حکمت و دانش جاری فرمادی —— کیونکہ کسی بھی قوم کا بکھرا ہوا ہونا اس کی ناکامی کا سبب ہے —— اور ان کا مجتمع ہونا فتح ونصرت کا سبب ہے —— اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ

تم آپس میں نہ جھگڑو! ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

پھر فرمایا:

تیرے پاس بغاوت کرنے اور یکے بعد دیگر معاہدہ توڑنے کا کیا عذر ہے؟

اور کیا حجت ہے؟

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ آپ مجھے بیان کرنے سے پہلے قتل کر دیں گے۔

فاروق اعظم: تو اس بات کا خوف نہ کر۔

ہرمزان نے پانی مانگا، اسے پانی لا کر دیا گیا —— اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ مجھے پانی پیتے ہوئے قتل کر دیا جائے گا۔

فاروق اعظم: تمہارے پانی پینے تک کوئی حرج نہیں ہے۔ (تمہیں قتل نہیں کیا جائیگا)

ہرمزان: پانی زمین پر گرا دیتا ہے۔

فاروق اعظم: اسے دوبارہ پانی لا دو — اس کے لئے قتل اور پیاس دو چیزوں کو جمع نہ کرو۔

ہرمزان: کا چہرہ اس شخص کی طرح فرط مسرت سے جگمگا اٹھا جسے گم ہونے کے بعد مقصد پھر سے دستیاب ہو جائے۔

کہنے لگا: مجھے پانی کی ضرورت نہیں ہے —— میرا مقصد تو امن حاصل کرنا تھا۔

فاروق اعظم: میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔

ہرمزان: امیر المؤمنین! آپ مجھے امن دے چکے ہیں۔

فاروق اعظم: تم جھوٹ بولتے ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: امیر المؤمنین! آپ اسے امن دے چکے ہیں۔

فاروق اعظم: ارے بندۂ خدا انس! کیا میں اس جیسے شخص کو امن دوں گا؟

براء بن مالک (۲): ہاں! آپ اسے امن دے چکے ہیں —— کیا آپ نے اسے یہ نہیں کہا؟ کہ تجھ پر کوئی حرج نہیں، یہاں تک کہ تو مجھے خبر دے۔

فاروق اعظم: ہاں! یہ تو میں نے کہا ہے۔

براء بن مالک: کیا آپ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ تو امن والا ہے یہاں تک کہ تو پانی پی لے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق کی طرف رجوع کر لیا —— اور جان لیا کہ وہ اسے امن دے چکے ہیں —— انہوں نے اپنے آپ کو حق کا پابند کیا اور شریعت کے حکم سے تجاوز نہیں کیا —— سلاطین اور امراء کو اسی طرح ہونا چاہیے۔

فاروق اعظم نے ہرمزان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سوائے مسلمان کے کسی سے دھوکا نہیں کھاتا —— لیکن تو نے مجھے دھوکا دے دیا ہے ——

——الله تعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا۔

پھر ہرمزان اسلام لے آیا—— حضرت فاروق اعظم نے اسے مدینہ منورہ میں ٹھہرایا اور نگرانی میں رکھا۔

(تاریخ طبری—— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

تبصرہ:

یہ حال تھا مسلمان حکمرانوں اور رعایا کے معاہدوں کا—— وہ ان کی پاسداری کرتے تھے—— اگرچہ بھول کر یا خطا ہی سے ہو جائیں—— کیونکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات ایفائے عہد کا تقاضا کرتی ہیں—— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (المؤمنون: ۸/۲۳)

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

برخلاف غیر مسلموں کے، کہ انہیں اپنے عہد و پیمان کا اتنا پاس ہرگز نہیں ہوتا۔

---

(۱) ہرمزان ایرانیوں کا ایک بڑا کمانڈر، شہر تُستر کی فتح کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اسے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا تو وہ اسلام لے آیا۔

(۲) براء بن مالک بن نضر خزرجی جلیل القدر صحابی اور انتہائی بہادر لوگوں میں سے تھے، یہ حضرت انس بن مالک کے بھائی تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ایک سو افراد کو چیلنج کر کے قتل کیا، مبارزت کے بغیر جنگوں میں جن کو قتل کیا وہ ان کے علاوہ تھے۔ تُستر کی فتح کے دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میمنہ کے کمانڈر تھے، تُستر کے مشرقی دروازے پر ۲۰ھ میں شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

علم اور علماء کی عزّت

عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا، خلیفۂ عباسی ہارون الرشید اپنے دفتر میں جاتا ہے ــــ خلیفہ کی تعظیم و تکریم اور خوشنودی کے لئے درباری سرکاری لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ ہے ــــ جو دیکھتا ہے سروقد کھڑا ہو کر تعظیم بجالاتا ہے ــــ لیکن امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور نامور فقیہ، امام محمد بن حسن شیبانی (۱) اپنی جگہ پر بیٹھے رہے ــــ انہوں نے حرکت تک نہیں کی ــــ ہارون الرشید نے بھی دیکھ لیا کہ وہ کھڑے نہیں ہوئے، بلکہ بیٹھے رہے ہیں ــــ وہ چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے دفتر میں داخل ہو گیا ــــ اس کی تعظیم بجالانے والے لوگوں کا ہجوم بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔

تاہم اسے امام محمد بن حسن پر غصہ ضرور آیا ــــ کہ سب لوگ احتراماً کھڑے ہوئے، لیکن وہ کھڑے نہیں ہوئے ــــ تھوڑے وقفے کے بعد ہارون نے انہیں طلب کیا ــــ وہ اندر گئے تو ان کے شاگرد پریشان ہو گئے ــــ کیونکہ جب دوسرے لوگ احتراماً کھڑے ہوئے تھے تو امام محمد کھڑے نہیں ہوئے تھے ــــ ان کے شاگردوں کا غالب گمان یہ تھا کہ خلیفہ انہیں ضرور سزا دے گا ــــ لیکن امام محمد تھوڑی دیر خلیفہ کے پاس ٹھہرنے کے بعد شاداں اور فرحاں واپس تشریف لے آئے ــــ شاگردوں نے پوچھا کہ جتنی دیر آپ خلیفہ کے پاس رہے، وہاں کیا واقعہ پیش آیا؟

کہنے لگے: جب میں خلیفہ کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ دوسرے لوگ احتراماً کھڑے ہوئے اور میرے ساتھ اندر آئے تھے ــــ آپ نہ تو کھڑے ہوئے اور نہ ہی اندر آئے ــــ ایسا کیوں ہوا؟ ــــ یہ سوال کرتے وقت غیظ و غضب کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تادیر امیر المؤمنین کو سلامت رکھے —— آپ نے مجھے طبقۂ علماء میں شامل کیا ہے —— آپ نے مجھے صف علماء میں شامل ہونے کے قابل قرار دیا ہے —— میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ جس طبقے میں آپ نے مجھے شامل کیا ہے اس سے نکل کر خادموں اور بازاری لوگوں میں شامل ہو جاؤں —— امیر المؤمنین! میں نے آپ کی مخالفت کو پسند نہیں کیا —— آپ کے چچا کے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے سروقد کھڑے ہوں اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔ (۲)

اس سے مراد علماء ہیں —— پس جو شخص خدمت اور بادشاہ کے اعزاز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس کی طرف سے عطیہ ہے —— اور جو شخص آپ حضرات سے حاصل کی گئی سنت کی پیروی کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ آپ کے لئے زینت ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: اے محمد! آپ نے سچ کہا ہے۔

مجھے ایک مسئلے میں مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو تغلب کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے —— انہوں نے اپنے بیٹوں کو عیسائی بنایا ہے —— اس لئے انہیں قتل کرنا جائز ہے —— اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

—— ہارون الرشید کا ارادہ یہ تھا کہ چونکہ انہوں نے عہد اور ذمہ کی مخالفت کی ہے؟ اس لئے ان کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا جائے۔

امام محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: امیر المؤمنین! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں پابند کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں —— اس کے

بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے انہوں نے بنو تغلب کو بحال رکھا ——— ان کے بعد آپ کے چچا کے بیٹے ابوالحسن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے ——— اور وہ علم و تقویٰ کے جس مقام پر ہیں، وہ آپ سے مخفی نہیں ——— پھر یہی طریقہ چلتا رہا ——— یہ حضرات بعد کے خلفاء سے زیادہ نیک تھے ——— امیر المؤمنین! اس سلسلے میں آپ کو کوئی گناہ لاحق نہیں ہوگا ——— اس لئے جو چیز جس حالت پر ہے اسے اسی حالت پر رہنے دیں ——— آپ کے لئے پہلے حضرات بہترین مقتدا ہیں ——— میں نے آپ کے سامنے علم کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے ——— اگر آپ کچھ اور فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ کی رائے عالی ہے۔

ہارون الرشید نے امام محمد رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو اسے وہ صحیح دکھائی دیے ——— اور اس نے فیصلہ کیا کہ بنو تغلب کو ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے ——— اس کا دل امام محمد کی رائے پر خوش ہو گیا۔

ہارون الرشید نے کہا:

ہم ان کا معاملہ اسی طرح جاری رکھیں گے جس طرح مجھ سے پہلے خلفاء نے جاری رکھا ——— یعنی ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں ——— مشورہ بہت اچھی چیز ہے ——— حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یقینی علم لے کر آتے تھے ——— اس کے باوجود آپ اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے ——— لیکن آپ اس شخص کے لئے دعا کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملہ کا ذمہ دار بنایا ہے ——— اور مسلمانوں کا محافظ بنایا ہے ——— آپ اپنے شاگردوں سے بھی دعا کروائیں ——— میں نے حکم دیا ہے کہ کچھ مال آپ کو پیش کیا جائے، آپ اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیں۔

امام محمد بہت سارا مال لے کر باہر آئے اور اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیا ———

علماء کی بڑی خوشی اور راحت یہی ہوتی تھی کہ ان کے شاگرد راضی اور خوش ہو جائیں۔

تبصرہ:

ہاں! دورِ اول کے علماء کا یہ طریقہ تھا کہ اگر سلطانِ وقت راہِ راست سے بھٹک جاتا تھا تو اس کی ہیبت کی پروا نہیں کرتے تھے ——— ہر صورت میں شریعت ہی کی حمایت کرتے تھے، چاہے نتیجہ کچھ بھی نکلے ——— اصل اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی ﷺ کی ہے ——— اس کے بعد وقت کے حکمرانوں کی اطاعت ہے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کریں ——— جیسے کہ اُس وقت کے حکمران اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے تھے، بلکہ حق کی طرف رجوع کرتے تھے ——— اس شخص سے خوش ہوتے تھے جو ان کی خطا کو درست کرتا تھا ——— اخلاص شعار اور خیر خواہ قسم کے علماء کو بکثرت اپنے پاس جمع کرتے تھے اور انہیں خصوصی ہم نشین اور مشیر بناتے تھے ——— چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد فرمائی۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورۃ الحج)

اور اللہ تعالیٰ ضرور اس شخص کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کا پیٹ نہ بھرے

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کردوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ـــــ اس لشکر کے کمانڈر سلمہ ابن قیس اشجعی مقرر کیے ـــــ مقابلہ ہوا دشمن کو شکست ہوئی ـــــ اللہ تعالیٰ نے جو مال غنیمت عطا فرمایا سپہ سالار نے لشکر میں تقسیم کر دیا ـــــ مال غنیمت میں ایک نادر روزگار زیور ملا جو حسن اور دل کشی کا شاہکار تھا ـــــ حضرت سلمہ نے مجاہدین کو کہا کہ اگر یہ زیور تم میں تقسیم کیا گیا تو تمہیں اس کا معمولی سا حصہ ملے گا جو کسی کام کا نہیں ہوگا ـــــ اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں یہ خوبصورت زیور امیر المؤمنین کو بھجوا دوں ـــــ امید ہے کہ وہ اس سے محظوظ ہوں گے ـــــ سب نے اس رائے کی تائید کی ـــــ انہوں نے زیور ایک صندوقچی میں رکھا اور اپنی قوم کے ایک شخص کے سپرد کر دیا ـــــ اور اسے حکم دیا کہ لے جا کر خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب کی خدمت میں پیش کر دو ـــــ اور اپنے دل میں سوچا کہ امیر المؤمنین بہت خوش ہوں گے اور اسے خندہ پیشانی سے قبول کر لیں گے۔

قاصد مدینہ منورہ پہنچا تو سیدنا فاروق اعظم کے پاس حاضر ہوا ـــــ دیکھا کہ خلیفۂ وقت خود امتِ مسلمہ کی خدمت کر رہے ہیں ـــــ چرواہے کی طرح اپنے عصا پر ٹیک لگائے لوگوں کو کھانا کھلا رہے ہیں ـــــ اور کبھی پیالوں کے گرد گھوم رہے ہیں ـــــ قاصد کا بیان ہے کہ مجھے دیکھا تو پوری بشاشت کے ساتھ ملے اور مجھے فرمایا: بیٹھو ـــــ میں عام آدمی کی طرح بیٹھ گیا ـــــ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے اور پیالے اٹھا لئے گئے تو فاروق اعظم اپنے گھر چلے گئے۔

میں بھی ان کے پیچھے گیا، دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی ـــــ اجازت

ملنے پر اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چمڑے کے دو گدّوں پر بیٹھے ہوئے ہیں جن میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی ہے ـــــــ یہ تھا خلیفۂ وقت کے گھر کا سامان اور یہ تھا ان کا نرم اور گداز بچھونا ـــــــ ایک گدّا انہوں نے میری طرف پھینک دیا جس پر میں بیٹھ گیا ـــــــ پھر انہوں نے آواز دی: ام کلثوم! ہمارا کھانا بھیج دیں ـــــــ مجھے بہت بھوک لگی ہوئی تھی ـــــــ میں نے دل میں سوچا کہ اب دل پسند کھانا اور تروتازہ گوشت کھانے کو ملے گا ـــــــ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت ام کلثوم نے زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی بھیج دی جس پر نمک چھڑکا ہوا تھا اور نمک بھی صحیح طرح پسا ہوا نہیں تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے مجھے فرمایا: کھاؤ! ـــــــ میں نے وہ کھانا کھا تو لیا، لیکن بھوک کے باوجود میرا دل اسے کھانے کو بالکل نہیں چاہتا تھا ـــــــ جب کہ فاروق اعظم نے بڑے شوق سے کھانا کھایا، تھوڑا پانی پیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔

پھر میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! میں سلمہ ابن قیس کا قاصد ہوں ـــــــ فرمایا: سلمہ اور اس کے قاصد کو مرحبا! ـــــــ مجھے مہاجرین کے بارے میں بتاؤ! ان کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: وہ بالکل خیریت سے ہیں، جیسے کہ آپ چاہتے ہیں ـــــــ وہ فتح مند ہیں اور دشمنوں پر غالب ہیں ـــــــ پھر انہوں نے پوچھا: کیا مجاہدین کو گوشت، سالن اور گھی میسر ہے؟ ـــــــ میں نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب کچھ میسر ہے ـــــــ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ وہ رعایا کے حالات کے بارے میں کتنے فکر مند ہیں؟ پھر میں نے سلمہ کا بھیجا ہوا مکتوب اور وہ قیمتی زیور پیش کیا ـــــــ جب آپ نے اس میں جڑے ہوئے نگینے دیکھے، اس کی زیب و زینت اور موتی دیکھے تو اچھل کر کھڑے ہو گئے ـــــــ جیسے ان کے پہلو میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو ـــــــ پھر اپنا ہاتھ اپنی کوکھ پر رکھ کر کہنے لگے:

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کا پیٹ نہ بھرے

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کو سیر نہ کرے

یہ زیور واپس کرو ——— واپس لے جاؤ ——— گویا انہیں ایسی چیز پیش کر دی گئی ہے جوان کے لئے ناقابلِ برداشت ہے ——— پھر قاصد کو بلند اور بھاری آواز میں فرمایا:

اللہ کی قسم! اگر اس کی تقسیم سے پہلے مسلمان متفرق ہو گئے تو تمہیں اور تمہارے صاحب کو ایسی ایسی سزا دوں گا ——— اسے اس کے مستحقین تک پہنچا دو ——— لے جاؤ ان کے پاس۔

قاصد کہتے ہیں: میں نے فاروق اعظم اور ان کی وعید سے ڈرتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے وہ زیور اٹھایا اور صندوقچی میں رکھ دیا ——— اور وہاں سے روانہ ہو کر سلمہ کے پاس پہنچ گیا ——— اور انہیں کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کام میں برکت عطا نہ فرمائے جو تم نے میرے ذمہ لگایا تھا ——— قبل اس کے کہ مجھے اور تمہیں کسی ناخوشگوار صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے اسے لوگوں میں تقسیم کر دو ——— فوراً تقسیم کر دو۔

تبصرہ:

یہ تھے دور اول کے مسلمان حکمران ——— وہ مسلمانوں کے مالوں سے اجتناب کرتے تھے ——— اگرچہ وہ اموال دل کش اور روح پرور ہی کیوں نہ ہوں۔

جب رعایا اپنے مخلص حکمرانوں میں یہ سچائی، اخلاص اور قربانی دیکھے تو کیوں نہ انہیں دلوں کا نذرانہ پیش کرے گی؟ ——— یہی وجہ تھی کہ جب نفوس مادیت سے رہائی پا چکے تھے، بلند فضیلتوں کے لئے چراغ بن چکے تھے اور اندھیروں میں ان سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں اور عوام کے درمیان اختلاف ختم کر دیا تھا۔

خاتمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس کے احسان سے نیکیاں مکمل ہوتی ہیں۔اور صلوٰۃ وسلام ہو ہمارے آقا، ہمارے امام اور ہمارے نبی محمد مصطفےٰ ﷺ، آپ کی آلِ پاک اور آپ کے صحابہ کرام پر جن کی یادگاریں زندہ و پائندہ ہیں، ان کے راستے پر چلنے والوں اور احسان کے ساتھ ان کی اقتدا کرنے والوں پر۔

حمد وثنا کے بعد! یہ کتاب ''مِنْ نَسَماتِ الْخُلُود'' سلسلۃ الخلود کا آخری حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسان فرمایا، یہ نبی اعظم محمد بن عبداللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ کے زندۂ جاوید شاگردوں کے کرداروں سے حاصل کئے گئے ایمان افروز جھونکے ہیں —— ہم نے یہ اس لئے جمع کئے ہیں تا کہ اس امت کو ان کی قبروں سے اٹھا دیں —— اور اسے خواب غفلت سے جھنجھوڑنا بھی مقصود ہے —— کیونکہ نیند بہت لمبی ہوگئی —— جہالت نے غلبہ پالیا —— ذلت نے احاطہ کرلیا —— اور نوبت اس حد تک پہنچ گئی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ اس عاجزانہ کوشش کے ذریعے ہم نے اپنی کچھ ذمہ داری پوری کر دی ہو —— ہم اس امت کے افراد ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ یہ تمام اُمّتوں سے افضل ہے —— ممکن ہے کہ مسلم امۃ اپنی عزت وعظمت کو دوبارہ حاصل کرلے —— اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کے مطابق پھر ''بہترین امت'' کا اعزاز حاصل کرلے۔

قارئین کرام! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے (مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے ساتھ ہی مترجم کو) پس پشت دعاء خیر میں یاد رکھیں گے —— میرا مقصد اپنی بساط کے مطابق صرف اصلاح ہے —— مجھے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے —— میرا

اسی پر بھروسہ ہے ـــــ اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اپنے رب کریم کی معافی کا محتاج

محمد صالح فرفور

دمشق

انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس، بریڈفورڈ

بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت پیر سید معروف حسین نوشاہی مدظلہ العالی سرپرستِ اعلیٰ جمعیت تبلیغ الاسلام بریڈفورڈ کی دعوت پر راقم الحروف ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی، پروفیسر محمد صدیق اکبر اور مولانا محمد یٰسین قادری شطاری کی معیت میں بریڈفورڈ حاضر ہوا اور 26 راگست 2001ء کو بریڈفورڈ میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس میں شرکت کی اور پونے چار ماہ پیر صاحب کے پاس بطور مہمان قیام کیا، قیام و طعام کا انتظام پیر صاحب نے کیا مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اہل سنت کے سروں پر ان کا سایہ دراز فرمائے۔

اسی دوران ۱۲ر رمضان المبارک مطابق ۲۷ر نومبر ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء کو "من نسمات الخلود" کا ترجمہ مکمل ہوا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فالحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

بمقام: دفتر جمعیت تبلیغ الاسلام، نمبر 1 ساؤتھ فیلڈ سکوائر، بریڈفورڈ، یو۔ کے

ضمیمہ

خُدا کو یاد کر پیارے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تُوبُوۡا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّھَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (القرآن)

مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

ہمارے زمانے میں مختلف لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں —— حالانکہ ہر مسلمان اور ذی شعور کو راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم اختیار کرنا چاہیے —— اگرچہ آج صراطِ مستقیم کا تعیُّن بھی دشوار ہو گیا ہے، ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ ہم ہی صراطِ مستقیم پر ہیں —— لیکن اگر انسان قرآن وحدیث سے راہنمائی لے اور امت مسلمہ کے تسلسل اور ائمۂ دین کے دامن کو ہاتھوں میں تھامے رکھے اور نفس وشیطان کے اغوا سے بچا رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے آخری کتاب قرآن پاک نازل کی —— اسے سمجھنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے:

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّیَھۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ۔(اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔)

—— قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں —— قرآن پاک آپ ہی کے ذریعے ہمیں ملا، آپ ہی نے ہمیں بتایا کہ یہ قرآن اور کلام اللہ ہے —— اور آپ ہی نے ہمیں اس کے مطالب بیان کئے —— ارشادِ ربانی ہے: لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ ۔تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

پھر حدیث شریف کو بھی ہم براہِ راست نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ احادیث کی مختلف قسمیں ہیں، صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے، موضوع ہے، مُرسَل ہے، منقطع ہے اور معضل ہے، پھر تاریخ کے اعتبار سے کوئی پہلے ہے کوئی پیچھے ہے، یہ اور ایسی سینکڑوں بحثیں ہیں جنہیں ائمۂ مجتہدین ہی حل کر سکتے ہیں، پھر ائمۂ مجتہدین کے کلام کو سمجھنے کی بھی ہمیں صلاحیت نہیں اس کے لئے ہم محشّی حضرات اور شارحین کے محتاج ہیں جو مجمل اقوال کی تفصیل کرنا جانتے ہیں، مختلف اقوال میں تطبیق اور ترجیح کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہم امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان ''**حدائق بخشش**'' کلامِ اقبال اور کلامِ غالب از خود نہیں سمجھ سکتے، اس کے لئے ہمیں استاذ یا شرح کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، تو کیا قرآن پاک ہی معمولی کتاب ہے جسے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے اور اسے سمجھانے والے کی ضرورت نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا مانگنے کا طریقہ سورۂ فاتحہ میں بتایا ہے جو ہر رکوع و سجود والی نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس میں فرمایا: **صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ** ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا —— یہ وہی ائمۂ دین کا تسلسل ہے جن کا دامن تھامنا ہمارے لئے کامیابی اور سلامتی کی ضمانت ہے۔

ہمارے ہاں قانون کی پاسداری کا تصور بہت حد تک دھندلا گیا ہے، ٹریفک کے قواعد کا لحاظ نہ کرنا معمول بن چکا ہے، بڑے لوگ اور ان کے نوخیز بیٹے اشارہ کاٹنے کے عمل کو ہی اپنی برتری کا اظہار سمجھتے ہیں، پولیس والا کھڑا ہو تو اسے بھی خاطر میں نہیں لاتے، ہاں اگر اس کے پاس بھاری بھر کم موٹر سائیکل ہو تو اشارہ کاٹنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ انہیں احساس ہوتا ہے کہ یہ تعاقب کر کے ہمیں گرفتار کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ العظیم کا ہمیں اتنا بھی خوف نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مالک کریم ہمیں فوراً اپنی گرفت میں نہیں لیتا، بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور توبہ و استغفار کی مہلت دیتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ○

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ظلم کے سبب گرفت فرماتا تو زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا۔

ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جگانے اور ہوشیار کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا ہے؟ لیکن ہم ہیں کہ بیدار ہونے کا نہیں لیتے، کیا ہمیں ہوش میں آنے کے لئے صورِ اسرافیل کا انتظار ہے؟

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بار بار اپنی بڑائی اور عظمت و کبریائی کا اعلان کیا ہے، اذان میں چھ مرتبہ کلمۂ تکبیر (اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان) دہرایا جاتا ہے اور تین مرتبہ کلمۂ شہادت (**لا الٰہ الا اللّٰہ**) بلند آواز سے پکارا جاتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور یکتائی کا ہی اعلان ہے۔یہی حال تکبیر کا ہے۔

نماز کی چار رکعتوں میں بائیس مرتبہ **اللّٰہ اکبر** (اللہ سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے، تسبیح سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں چونتیس بار **اللّٰہ اکبر** کہا جاتا ہے، یوں چوبیس گھنٹوں میں تقریباً چھ سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ورد کیا جاتا ہے اور نعرہ لگایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اتنے بے حس ہیں کہ متوجہ ہی نہیں ہوتے اور عام معمول کی کاروائی سمجھ کر گزر جاتے ہیں، ربِّ قہّار و جبّار کی عظمت و بڑائی کے اعلان کو اگر ہم گوشِ ہوش سے سنتے اور سنجیدگی سے لیتے تو ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا کم از کم اتنا خوف تو ہوتا کہ ہم حرام کام کرنے سے ہچکچاتے اور فرائض و واجبات ادا

کرنے کے لئے پوری طرح مستعد ہوتے کیونکہ ہمیں اللہ قادر و قیوم دیکھ رہا ہے اور اس کے نافرمانوں کے لئے جہنم کی آگ پوری طرح بھڑک رہی ہے۔

موجودہ دور میں دو قسم کے طرزِ عمل ہمارے سامنے آتے ہیں جو افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

1. ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کو مانو اور کسی کو نہ مانو ——

یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کی تعریف اتنی ہی کرو جتنی گاؤں کے ایک چودھری کی کی جاتی ہے بلکہ اس میں بھی تخفیف کرو۔

یہ کتنی بدقسمتی اور ستم ظریفی ہے کہ دنیا کا کوئی لیڈر آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کے ماننے والے اس کی عظمتِ شان کے گھٹانے کی فکر میں ہوں، یہ تو چودھویں پندرھویں صدی کے امتی کا حوصلہ ہے جو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کو کم کرنے کی سوچ رکھتا ہے، سچ کہا ہے امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن سایۂ دیوار نے دیوار کو کہا کہ میں سورج کا عاشق ہوں اور اسے دیکھنا چاہتا ہوں تو درمیان سے ہٹ جا، دیوار نے کہا ہوش کے ناخن لے، میں اگر درمیان سے ہٹ گئی تو تیرا نام و نشان مٹ جائے گا۔

نبی اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے اہم اور سب سے بڑا رابطہ ہیں اگر آپ کا رابطہ اور واسطہ درمیان

میں نہ رہا تو ہمارا دین رہے گا اور نہ ایمان۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی ، جان ہے تو جہان ہے

(امام احمد رضا)

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مانتا ہے کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دونوں جزؤں کو مانتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے، لیکن جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہیے اور جتنا تعلق رب کریم جل مجدہٗ کے ساتھ ہونا چاہیے وہ دکھائی نہیں دیتا، پہلا طبقہ اس معاملے میں افراط کا شکار ہے تو دوسرا طبقہ تفریط کا۔

چند مثالیں کسی معین شخص کا نام لئے بغیر پیش کرتا ہوں اور فیصلہ آپ کے دل وضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ کیا ان لوگوں کا رویہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی پہلو سے بھی مستحسن ہے؟

❶ ایک صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد یوں دعا مانگی:

الصلٰوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

الصلوٰۃُ والسلام علیك یا نبی اللہ

وعلی آلك واصحابك یاحبیب اللہ

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْحَالَنَا　　　یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِھَمٍّ مُغْرَق"　　　خُذْیَدِیْ سَھِّلْ لَنَااِشْکَالَنَا

اس کے بعد یہ درود شریف پڑھا اور منہ پر ہاتھ پھیر لئے۔

الصلٰوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

الصلوٰۃُ والسلام علیك یا نبی اللہ

وعلی آلك واصحابك یاحبیب اللہ

راقم نے انہیں روک لیا اور کہا کہ علماءِ اہل سنت نے اس شعر ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا'' کے بارے میں یہی کہا تھا کہ یہ شرک اور کفر نہیں بلکہ جائز ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہی چھوڑ دیں۔

2 ابھی دو ماہ پہلے ایک مجلّے میں ایک فاضل کا خطاب شائع ہوا جس کا عنوان تھا ''ربّ کا وظیفہ'' اس کے نیچے لکھا تھا کہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی وظیفہ ہوتا ہے، میں نے رب کریم سے پوچھا کہ یا اللہ! تو کیا کرتا ہے؟ کیا تو بارش برساتا ہے؟ بے شک تو بارش برساتا ہے، لیکن یہ کام تو نے فرشتوں کے سپرد کر رکھا ہے، کیا تو سورج چڑھاتا ہے؟ یا سورج غروب کرتا ہے؟ موت کے وقت روح قبض کرتا ہے؟ یہ سب کام تو نے فرشتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، یا اللہ! تو کیا کرتا ہے؟ ربّ کریم نے فرمایا: میں نے سب کام فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں اور خود فارغ ہو کر ایک ہی کام کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

میں اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہوں

کیا یہ کسی آیت کا ترجمہ ہے؟ یا کسی حدیث کا مطلب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو **کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ** (وہ ہر آن نئی شان میں ہے) اور **خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ** (وہ ہر چیز کا خالق ہے) کا کیا مطلب ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے عدم سے وجود میں آنے میں اللہ کریم کی محتاج ہے پھر باقی رہنے میں ہر لمحہ میں اس کی محتاج ہے۔

ایک محفل میں راقم نے یہ اقتباس سامعین کو متوجہ کرنے کے لئے سنایا تو کئی سامعین کہنے لگے: سبحان اللہ! میں نے کہا: یہ سبحان اللہ کہنے کا مقام نہیں، یہ تو ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ'' کہنے کا مقام ہے۔

پھر اس فاضل نے خطابت کے مزید جوہر دکھاتے ہوئے کہا کہ اگر میں کہہ

دوں کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ ہمارا اہم ذوق ہے تو کوئی حرج نہیں ہے —— کس کس بات کا تذکرہ کیا جائے؟

3 ایک فاضل دانشور نے جو اس وقت بیرون ملک تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اپنے مقالے میں لکھا کہ میں نے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی کتاب ''الفتح الربانی'' کا مطالعہ کیا تو انہوں نے کہیں ذکر الٰہی پر زور دیا ہے، کہیں ذکر و فکر کی اہمیت اجاگر کی ہے، کہیں خوف آخرت تازہ کیا ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضور غوث اعظم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان ہی نہیں کرتے دوسرے موضوعات پر ہی گفتگو کئے جا رہے ہیں، پھر میں نے چند صفحے پلٹے تو میرا دل خوش ہو گیا کہ سیدنا غوث اعظم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے ہوئے تھے۔

ایسے ہی رویئے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں'' بجائے اس کے کہ ہم اپنے آپ کو سیدنا غوث اعظم کی فکر کے سانچے میں ڈھال لیں، ہم انہیں اپنی سوچ کے فریم میں فٹ کرنا چاہتے ہیں۔

کئی خطباء یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن پاک بسم اللہ کی باء سے لے کر سورۂ ناس کی سین تک سب نبی اکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت ہی نعت ہے۔ ''سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتا دیا کہ قرآن پاک میں صرف نعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہیں ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا ایک نام اُمّ القرآن بھی ہے اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو کچھ قرآن پاک میں ہے سورۂ فاتحہ اس پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک میں کیا ہے؟ اس کا بیان دو طریقوں سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن پاک تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

1. اللہ تعالیٰ عزّ وجل کی ثنا۔
2. اس کے امر اور نہی کی تعمیل۔
3. اس کے وعدے اور وعید کا بیان۔

بانداز دگر فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ قرآن پاک کے مطالب پر اجمالی طور پر مشتمل ہے، وہ مطالب یہ ہیں:

1. حِکَم نظریہ یعنی عقائد۔
2. احکام عملیہ یعنی طریق مستقیم پر چلنا۔
3. خوش قسمتوں کے مراتب اور بدبختوں کی منازل پر آگاہ ہونا۔

کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش قسمتوں اور اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے سردار ہیں، اس طرح سورۂ فاتحہ آپ کے ذکر شریف پر بھی مشتمل ہے، لیکن اس بات کا کیا مطلب کہ سارا قرآن ہی آپ کی نعت ہے؟

قرآن پاک کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے اور بجا کہا ہے:

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِیْ الْقُرْآنِ لٰکِنْ
تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْھَامُ الرِّجَالِ

قرآن پاک میں تمام علوم موجود ہیں، لیکن لوگوں کے دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

4. ایک دفعہ ایک فاضل دوست نے لکھا کہ اسلام صرف اور صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے۔
5. ایک دوسرے فاضل نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محبت کی ابتدا بھی حضور ہیں اور انتہا بھی حضور ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

راقم نے ان دونوں حضرات کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کہاں گئی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ''اور ایمان والے ٹوٹ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

❻ حال ہی میں ایک ماہنامے میں اس عنوان کے ساتھ ایک مقالہ چھپا کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت، ہی اللہ کی محبت ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں: یا اللہ! ہمیں اپنے حبیب کی محبت عطا فرما'' سوچنے کی بات یہ ہے کہ محبت دل کے میلان اور تعلق خاطر کا نام ہے جو کسی ہستی سے متعلق ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو ہستیاں ہیں۔

❶ ایک ہستی واجب الوجود اور دوسری ہستی ممکن الوجود

❷ ایک قدیم اور دوسری حادث

❸ ایک خالق اور دوسری مخلوق،

تو دونوں کی محبت ایک کیسے ہوگئی؟ اس لئے دعا یوں مانگنی چاہیے جس طرح پہلے بزرگ دعا مانگتے تھے: اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما، اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما، اپنے پیاروں کی محبت عطا فرما اور ان اعمال کی محبت عطا فرما جو ہمیں تیری بارگاہ کا قرب عطا کر دیں۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ حَبِيْبِكَ الْكَرِيْمِ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنَا اِلَيْكَ○

ترجمہ وہی جو پہلے مذکور ہوا۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی دعا کرتے ہیں بلکہ محبت کے دعویدار ہیں اور یہ نعرہ لگاتے ہیں ''غلامیٔ رسول میں موت

بھی قبول ہے''، لیکن ہمیں یہ خبر ہی نہیں کہ محبت کا مطلب کیا ہے؟ محبت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ ایسا تعلق خاطر ہو کہ انسان محبوب کا فرماں بردار ہو، اس کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو، اور محبوب کا سراپا صرف شعور نہیں بلکہ لاشعور میں اس طرح نقش ہو جائے کہ انسان لاشعوری طور پر محبوب کی ایک ایک ادا کو اختیار کر لے، ہم غلامی رسول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں موت کیسے قبول کر لیں گے؟

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِیْ الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ بحوالہ ترمذی شریف) جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

علامہ اقبال اس بات سے خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں میرا نامۂ اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نہ کھل جائے، چنانچہ دعا مانگا کرتے تھے:

مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا
حسابِ من ز چشمِ او نہاں گیر

اے اللہ! مجھے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور رسوا نہ فرمانا، میرا حساب آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہی لے لینا۔

حالانکہ ہم اُس باخبر اور وسیع العلم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں جن کی بارگاہ میں ہمارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، ہمیں تو ناجائز کام کرتے ہوئے سو مرتبہ یہ سوچنا چاہیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے ہیں لہذا ہمیں ناجائز کام کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک صاحب تازہ تازہ داڑھی منڈوا کر آئے ہیں اور سر پر انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور ابھی اسٹیج پر نعت پڑھیں گے اور عشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مظاہرہ کریں گے۔ حالانکہ عشق سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مظاہرہ آدمی کے قول و فعل، رہن سہن اور شکل و صورت سب میں ہونا چاہیے۔

7 ابھی چند دن پہلے ملتان روڈ پر گزر ہوا، عمرے کا بینر لگا ہوا دیکھا اس پر لکھا تھا ''آؤ مدینے چلیں''۔

میں یہ سوچتا رہ گیا کہ عمرہ تو مکہ معظّمہ میں کیا جاتا ہے، اس کا نام ہی نہیں لیا گیا، مدینہ منورہ میں تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے اور شفاعت کی درخواست گزارنے کے لئے حاضری دی جاتی ہے، اس لئے یوں لکھنا چاہیے کہ ''آؤ حرمین شریفین چلیں'' یا ''آؤ مکّے مدینے چلیں''۔ ماضی قریب میں جب آدمی کو کسی کی بات اچھی لگتی تھی تو کہا جاتا تھا ''تری آواز مکّے اور مدینے'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حرمین شریفین کی حاضری نصیب فرمائے، لیکن اب ایسے جملے بھی سننے کو نہیں ملتے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کوئی شخص سفر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو رہا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ ''مدینے شریف میں میرے لئے دعا کرنا'' حالانکہ مکّہ معظّمہ بھی دعا کی قبولیت کے مقامات سے بھرا پڑا ہے تو اس طرح کہنا چاہیے کہ حرمینِ شریفین میں میرے لئے دعا کرنا اور سرکارِ دو عالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس فقیر حقیر کا نذرانۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا۔

8 ایک محفل میں راقم نے بیان کیا کہ ہماری ہر محفل میں نعت شریف اور آخر میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا لازمی خیال کیا جاتا ہے، اگر دعا کر کے محفل برخاست کی جا رہی ہو تو تقاضا کیا جاتا ہے کہ سلام کا ایک ہی شعر پڑھ لیں، ٹھیک ہے نعت بھی

ہونی چاہیے اور صلوٰۃ وسلام بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہونی چاہیے، کیونکہ مقصود بالذات تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (الحمدللہ! بہت سے ماہنامے دیکھنے میں آرہے ہیں جن میں ایک صفحے پر حمد اور دوسرے پر نعت دی جارہی ہے)۔

میرے بعد ایک بزرگ تشریف لائے انہوں نے فرمایا کہ شرف صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ ''سبقتِ لسانی'' (یعنی سوچے سمجھے بغیر بات کہہ دی گئی) ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مقصود ہیں اور نعت شریف بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

بعد میں راقم نے احباب سے کہا کہ یہ سبقت لسانی نہیں بلکہ سوچی سمجھی رائے ہے، رہا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مقصود ہیں تو اس کا انکار نہیں ہے، میرے نزدیک تو استاذ اور پیر ومرشد بھی مقصود ہے، اور وہ اس لئے مقصود ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچا دے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں سے آراستہ کر دے اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لئے مقصود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچا دیں یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کا بندۂ فرماں بردار بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ مقصود بالذات ہے کہ اس کے بعد کوئی مقصود نہیں ہے جس تک اللہ تعالیٰ کے ذریعے پہنچا جائے۔

امام احمد رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

اے خدا تجھ تک ہے سب کا منتہیٰ
اولیاء کو اذنِ نصرت کیجئے

قرآن پاک میں ہے:

❶ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ○

میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

❷ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا○

اور اس شخص سے زیادہ حسین بات کس کی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کیے۔

❸ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ ○

اور (ہم نے آپ کو بھیجا) اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلانے والا۔

❹ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ ○

اور کسی انسان کے لائق یہ نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ، اللہ کے نہیں، لیکن تم اللہ والے ہو جاؤ۔

ایک دفعہ راقم کی گفتگو اپنے عزیز دوست فاضل علامہ مفتی ہدایت اللہ پسروری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہدایت القرآن، ممتاز آباد، ملتان سے ہو رہی تھی، وہ فرمانے لگے:

انبیاء بھیجے کس لئے گئے تھے؟

یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا اصل مقصدِ بعثت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے، اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے کے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، تو ان کی محبت، تعظیم و توقیر اور اِن کے نقش قدم پر چلنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی درست ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے شاہکار اعظم ہیں اور مخلوق کی تعریف دراصل خالق ہی کی تعریف ہوتی ہے، لیکن حمد کے اور بھی تو کئی انداز ہیں مثلاً آیۃ الکرسی پڑھ لیں، سورۂ حشر کی آخری آیات کی تلاوت کر لیں اسی طرح قرآن پاک کی متعدد آیات ہیں، احادیث مبارکہ میں دعا کا باب پڑھ لیجئے دل و دماغ

روشن ہو جائے گا۔ نعت کے حمد ہونے کا انکار نہیں ہے کہنا یہ ہے کہ صرف نعت پر اکتفا کر لینا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بھی کرنی چاہیے، علماء اسلام کی تصانیف دیکھ لیجئے ان میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کے حضور نذرانہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا گیا ہے۔ کلمۂ طیبہ کو دیکھ لیں اس میں پہلے ''لاالہ الا اللہ'' ہے اس کے بعد ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ اسی طرح پہلے نعرۂ تکبیر لگایا جاتا ہے اس کے بعد نعرۂ رسالت بلند کیا جاتا ہے۔

9 کچھ عرصہ پہلے مساجد کے امام دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور درود شریف سے اس طرح کیا کرتے تھے:

الحمدللہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین۔

جب کہ کچھ عرصہ سے یہ معمول دکھائی دے رہا ہے کہ صرف درود شریف پڑھ کر دعا مانگ لی جاتی ہے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی جاتی۔ آخر یہ بے اعتنائی کیوں برتی جاتی ہے۔



افریقہ کا رخ کرنے والی اسلامی افواج کے کمانڈر حضرت عقبہ ابن نافع فہری (۱) تھے ـــــ انہوں نے افریقہ کے بیشتر حصے فتح کر لئے ـــــ اس خطے کے اصل باشندے بَربَر تھے ان کے بہت سے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ـــــ اور افریقی ممالک کی فتح میں معاون ثابت ہوئے ـــــ

چونکہ افریقہ میں مسلمانوں کی کوئی مستقل چھاؤنی نہیں تھی جہاں فوج ہمیشہ قیام پزیر رہتی ـــــ اس لئے جب مجاہدین واپس مصر چلے جاتے تو نومسلم بَربَر غیر مسلموں کے فریب میں آکر سب عہد و پیمان توڑ دیتے ـــــ اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے ان کو ہر طرح سے پریشان کرتے ـــــ حضرت عقبہ نے طویل غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ یہاں ایک چھاؤنی بنائی جائے ـــــ جہاں مجاہدین مستقل قیام کریں ـــــ اور سر اُٹھانے والے فتنوں کی فوری طور پر سرکوبی کریں۔

اس مقصد کے لئے جو جگہ آپ نے منتخب کی وہاں گھنے جنگلات تھے ـــــ جن میں موذی جانوروں اور درندوں کی کثرت تھی ـــــ ایسی جگہ انسانوں کا رہنا تو کجا گزرنا بھی خطرات سے خالی نہیں تھا ـــــ مشیروں نے اِن خطرات کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عُقبہ نے اس جگہ کو منتخب کرنے کی وجوہ بیان کیں ـــــ مشیروں نے کہا جناب یہ سب وجوہ بجا ہیں، لیکن جنگلی مخلوق سے تحفظ کی کیا صورت ہوگی؟ ـــــ یہاں تو قدم قدم پر خطرناک بچھو اور زہریلے سانپ رینگ رہے ہیں ـــــ جنگل ہاتھیوں، شیروں، چیتوں، ریچھوں اور دوسرے درندوں سے اٹا پڑا ہے ـــــ دنیا کا کوئی بھی دوسرا کمانڈر ہوتا تو وہ اس صورت حال کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ـــــ لیکن حضرت عُقبہ ابن نافع فہری کسی

طرح اپنے فیصلے سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے ——— انہوں نے فرمایا چھاؤنی یہیں بنے گی اور ہر صورت بنے گی۔

افریقہ کے باشندے اور ان کے ساتھی یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ حضرت عُقبہ اس لاینحل مسئلے کا حل کیا نکالیں گے؟ ——— ہزاروں افراد اس میٹنگ میں شریک تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت عقبہ اپنے فیصلے کو کس طرح عملی جامہ پہناتے ہیں؟ ——— حضرت عقبہ نے اپنے لشکر میں موجود اٹھارہ صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور جنگل کے باسیوں کو خطاب کرتے ہوئے درج ذیل کلمات ارشاد فرمائے جو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لئے:

اَیَّتُھَاالْحَشَرَاتُ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَارْحَلُوْا فَاِنَّانَازِلُوْنَ فَمَنْ وَّجَدْنَاہُ بَعْدُقَتَلْنَاہُ ٥

اے درندو! اور کیڑے مکوڑو! ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ——— ہم اس جگہ قیام کرنا چاہتے ہیں ——— لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ ——— آج کے بعد جو ہمیں ملا ہم اسے قتل کر دیں گے۔

اس خطاب میں کیا جادو تھا؟ ——— کہ تمام جنگل میں ہلچل مچ گئی ——— کیا شیر، کیا بھیڑیئے کیا چیتے اور کیا سانپ سب گروہ در گروہ اپنے بچوں کو لے کر روانہ ہو گئے ——— یہ ایسا حیرت انگیز منظر تھا جو اس سے پہلے کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھا تھا ——— دیکھنے والے اس طرح محوِ حیرت تھے جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہو ——— کسی کو شیر، بھیڑیئے اور سانپ وغیرہ سے خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ ان سب کو تو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی ——— وہی منظر تھا جو قیامِ پاکستان کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کا تھا ——— ہر جانور اپنی ہی فکر میں مگن۔

اس علاقے کے اصلی باشندے اور ہر ہر قوم سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد یہ سب منظر جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ——— اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اس اَن ہونی بات کو دیکھ کر بھی وہ کفر اور باطل پرستی پر قائم رہتے ——— اسی وقت ہزاروں افراد پورے اخلاص کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ کی آواز جنگل کے دور دراز حصوں تک کیسے پہنچ گئی؟ ——— اگر آواز پہنچ ہی گئی تھی تو تمام جانوروں نے ان کی عربی گفتگو کو کس طرح سمجھ لیا؟ ——— اور اگر سمجھ ہی لیا تھا تو وہ اس حکم پر بلا چون و چرا عمل کرنے پر کیسے تیار ہو گئے؟ ——— اور عمل بھی ایسا کیا کہ چالیس سال تک اس علاقے میں کوئی سانپ یا موذی جانور دکھائی نہیں دیا۔

بڑے سے بڑا سائنس دان، فلسفی، ماہر طبعیات، ماہر ارضیات یا ماہر حیوانیات ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا ——— ان کا جواب صرف بندۂ مومن دے سکتا ہے جس کا ایمان ہے کہ تمام اسباب اور مسبّبات اور کائنات کا ایک ایک ذرّہ سب سے اعلیٰ اور سب پر غالب ہستی کے حکم کے تابع ہے ——— اور جو بندہ دل و جان سے اس کے حکم کا تابع ہو جائے کائنات اس کے تابع ہو جاتی ہے ——— ارشاد ربانی ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (محمد ۴۷/۷)

اگر تم اللہ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آلِ عمران ۳/۱۳۹)

تم ہی سر بلند ہو اگر تم صاحبِ ایمان ہو۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کی بدولت تزکیۂ نفس کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے ــــــ اور نفسانی خواہشات ورذائل سے پاک ہو چکے تھے اس لئے زبان ان کی ہوتی تھی اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا ــــــ مولانا رومی فرماتے ہیں:

گرچہ از حُلقومِ عبداللہ بود　　　گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود

ان کی بات اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے، اگرچہ بندے کے منہ سے صادر ہوتی ہے۔

یہ ۵۰ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) کے دور حکومت کا واقعہ ہے، جب صحابۂ کرام نے مغربی افریقہ کے مشہور شہر قیروان کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر عرصۂ دراز تک افریقہ کا دارالحکومت رہا ــــــ افریقہ کا گورنر یہیں رہتا تھا ــــــ اسی لئے یہ شہر اسلامی شان وشوکت کی زندہ یادگار تھا ــــــ ایک عرصہ تک مغربی افریقہ میں اس سے بڑا کوئی شہر نہ تھا۔

ماء الفرس (گھوڑے کا چشمہ)

افریقہ ہی کے ایک سفر میں حضرت عقبہ نے اپنے لشکر سمیت ایک جگہ قیام کیا ــــــ جہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان نہ تھا ــــــ مجاہدین پر پیاس کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خطرہ محسوس کیا گیا کہ اگر پانی نہ ملا تو سب ہلاک ہو جائیں گے ــــــ حضرت عقبہ اس صورتِ حال سے پریشان ہو گئے ــــــ اور شدید اضطراب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے ــــــ جو کہ مسلمانوں کی اصلی علامت اور خصوصیت ہے ــــــ دو رکعت نماز ادا کر کے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی ــــــ ابھی آپ دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے گھوڑے نے زمین پر سُم مارنا شروع کیا

۔۔۔۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک پتھر سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ۔۔۔۔۔۔ تمام مجاہدین اس چشمے پر ٹوٹ پڑے اور سب نے پیٹ بھر کر پانی پیا ۔۔۔۔۔۔ اس دن سے اس جگہ کا نام **"ماء الفرس"** (گھوڑے کا چشمہ) پڑ گیا۔

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے مشابہ ہے ۔۔۔۔۔۔ وہ پتھر پر عصا مارتے تھے تو اس میں سے چشمہ جاری ہو جاتا ۔۔۔۔۔۔ یہاں حضرت عقبہ کے گھوڑے نے پتھر پر سُم مارا تو اس میں سے چشمۂ آبِ شیریں ابل پڑا ۔۔۔۔۔۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا ۔۔۔۔۔۔ یہ حضرت عقبہ کی کرامت تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (۱)

تبصرہ:

(۱) حضرت عقبہ ابن رافع فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں ۔۔۔۔۔۔ جب بارگاہِ خداوندی میں ان کا یہ مقام ہے تو ان کے اور ہم سب کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا مقام ہوگا؟ ۔۔۔۔۔۔ حضرت موسیٰ کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے ۔۔۔۔۔۔ یہ بے شک عظیم معجزہ تھا ۔۔۔۔۔۔ تاہم پتھروں سے تو چشمے جاری ہوتے ہی رہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور سینکڑوں صحابہ اس سے فیض یاب ہوئے، جبکہ انگلیوں سے پانی نکلنے کی کوئی مثال نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ امام احمد رضا بریلوی کہتے ہیں:

پنجۂ مہرِ عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

---

(۱) ماخوذ از ماہنامہ القاسم شمارہ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ (شائع شدہ از مدرسہ اسلامیہ دیوبند) بعنوان "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" ص ۸۔۳

(۲) تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں مجاہدین جس طرف بھی رخ کرتے تھے فتح وکامرانی ان کا استقبال کرتی تھی —— آج پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک ہونے کے باوجود آسمان سے جو بلا نازل ہوتی ہے، وہ زمین تک پہنچے سے پہلے پوچھتی ہے کہ مسلمانوں کا گھر کونسا ہے؟ —— کفر کی طاغوتی طاقتیں جسے چاہتی ہیں روند ڈالتی ہیں —— مسلمانوں کا نہ کوئی پُرسانِ حال ہے اور نہ نوحہ خواں —— وجہ کیا ہے؟ یہی ناں کہ:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

توہم گردن از حکمِ داوَر مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم توہیچ

تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر، کائنات کی کوئی چیز تیرے حکم سے سر نہیں پھیرے گی۔

کاش اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مہاتیر محمد ایسے دو چار بیدار مغز، باشعور اور جرأت مند لیڈر عطا فرمادے —— جو تمام مسلم اُمّہ کو ایک پلیٹ فارم اور ایک پروگرام پر جمع کر دیں۔

---

(۱) حضرت عقبہ ابن نافع ابن عبدالقیس، عامر بن فہر کی اولاد میں سے اور قریش فہری تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک میں پیدا ہوئے، لیکن ان کے لئے شرفِ صحابیت ثابت نہیں، وہ حضرت عمرو بن العاص کے (ماں کی طرف سے) بھائی تھے، جب حضرت عمرو ابن العاص مصر کے گورنر تھے تو انہوں نے ہی حضرت عقبہ کو افریقہ کا گورنر بنایا تھا۔

حضرت عقبہ نے ''قیروان'' شہر بنایا، یہ حضرت معاویہ کے زمانے کی بات ہے اور تین سال وہاں قیام کیا۔ ۶۳ھ میں ''السوس الاقصیٰ'' کے غزوہ کے بعد شہید ہوئے، کسیلہ ابن لمرم نے انہیں شہید کیا، پھر اسی سال یا اس سے اگلے سال زهیر بن قیس بلوی نے کسیلہ کو قتل کر دیا۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ از ابن اثیر (دار الشعب) ۴/ ۶۰۔ ۵۹

(۲) حضرت امیر معاویہ کے والد ابوسفیان ہیں جن کا نام صخر بن حرب بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی ہے، امیر معاویہ کی والدہ کا نام ھند بنت عتبہ ہے، وہ اپنے والدین اور بھائی یزید کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے، امیر معاویہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضاء (۷ھ) کے موقع پر ایمان لے آیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات بھی کی تھی، لیکن والدین کے سامنے اسلام ظاہر نہ کیا۔

غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے، آپ نے ہوازن کے مالِ غنیمت میں سے انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجے تو امیر معاویہ اپنے بھائی یزید کے ساتھ ہی گئے، وہ شام کے ایک حصے کے گورنر تھے، یزید نے اپنی وفات سے پہلے انہیں گورنر بنا دیا، جس کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توثیق فرمائی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ معاویہ فقیہ (مجتہد) ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا، انہیں کہا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! یہ حضرات امیر معاویہ سے بہتر اور افضل تھے، لیکن امیر معاویہ سخی زیادہ تھے۔

جب حضرت عمر بن خطاب شام گئے اور امیر معاویہ کو دیکھا تو فرمایا: یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔

حضرت عثمان غنی نے انہیں پورے شام کا گورنر بنادیا، یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی شہید کر دیے گئے، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی انہوں نے بیعت نہیں کی، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قصاص لیا جائے، اسی سلسلے میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ''جنگِ صفین'' ہوئی۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، دوسری طرف امام حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی لشکر لے کر ان کی جانب روانہ ہوئے، جنگ چھڑنے ہی والی تھی کہ امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ دیکھ کر کہ مقابلہ سخت ہے اور دونوں طرف مسلمانوں ہی کا خون بہایا جائے گا اور اہل عراق میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک تاریخی فیصلہ کیا کہ اقتدار حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دیا اور خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ امیر معاویہ کوفہ تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی اور ان پر متفق ہوگئے، اس لئے اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' (اجتماعیت کا سال) رکھ دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیس سال امیر اور بیس سال خلیفہ رہے۔ ۱۵رجب ۶۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۲۲رجب ۵۹ھ کو ان کی رحلت ہوئی۔ اصح یہ ہے کہ ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اگر تمہیں والی (حاکم) بنادیا گیا تو احسان سے کام لینا، اس دن سے مجھے خلافت کی امید تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی تھی نیز آپ کے ناخنوں کے تراشے بھی ان کے پاس تھے، انہوں نے وصیت کی کہ مجھے اس قمیص میں کفن دینا اور وہ قمیص میرے جسم کے ساتھ متصل رکھنا اور مقدس ناخنوں کے تراشے پیس کر میری آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اللہ تعالٰی کی رحمت کے حوالے کر دینا۔ (ابن الاثیر: اسد الغابۃ (دار الشعب) ۵/۱۰-۲۰۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی، کاتب وحی اور نسبتی بھائی تھے، ان کی بہن حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمّ المؤمنین ہیں، آج سے کچھ عرصہ پہلے ۲۲ رجب کو "کونڈوں کا ختم" دلانے کا بہت رواج تھا، کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں لکھنؤ کے شیعوں نے "امیر شام" یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں اس ختم کا اہتمام کیا تھا۔ اہل سنت و جماعت اگر اس تاریخ کو ختم دلائیں اور صحابہ و اہل بیت کے لئے عموماً اور حضرت امام جعفر صادق اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے ایصالِ ثواب کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ شرف قادری

مولانا احمد رضا خان اور احترامِ استاذ

تحریر: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ہر جسمِ متحرک خواہ مشین ہو، حیوان ہو یا انسان لیور یعنی جگر کے بغیر نہ تو اس کا وجود ہے، نہ عمل ہے، اور نہ بقاء ہے، ان اجسام متحرکہ میں سے کوئی بھی اگر لیور (Liver) سے محروم ہو جائے تو زندگی، عمل اور وجود سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ہر تنظیم اور ہر نظام بھی اسی اصول کے تابع ہے۔ تنظیم میں کوئی نہ کوئی ہستی اس لیور اور جگر کا کردار ادا کرتی ہے۔ اگر وہ معدوم ہو جائے تو تنظیم بیکار اور عملی کردار سے محروم ہو جاتی ہے، دنیا کے ہر نظام کا بھی یہی عالم ہے اور اس کی بہترین مثال نظام تعلیم ہے۔ ہر قوم اور ہر ملک کے نظامِ تعلیم کا لیور اور جگر استاذ ہے، اگر کسی نظامِ تعلیم کا یہ پرزہ ناکارہ ہو جائے اور اپنی افادیت وتاثر سے عاری ہو جائے تو نظام کی ہیئت ترکیبی ایک بے جان جسم اور قوت عمل سے محروم نظام قرار پائے گا۔

بات دراصل یہ ہے کہ تعلیم و تدریس موزوں ومتوازن مرکب اینٹوں یا خوبصورت جڑے ہوئے پتھروں کی خوشنما عمارت سے وابستہ نہیں، بلکہ تعلیم اور تدریس کا کام تو سرے سے عمارت کا محتاج ہی نہیں ہوتا کسی بھی گھنے سایہ دار درخت سبزے اور فرش خاکی سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے، دنیا کی تاریخ میں آپ نے کئی ایک ایسی درسگاہوں کے نام پڑھے اور سنے ہوں گے جو ایک درخت کے زیرِ سایہ شروع ہوئیں! اسی طرح کتابوں اور پوتھیوں سے بھی بے نیاز رہا جا سکتا ہے، لیکن ایک وجود ایسا ہے جس کے بغیر تعلیم وتدریس کا تصور بھی ناممکن ہے اور وہ ایک استاذ کی ہستی ہے۔ بلکہ تعلیم وتدریس کا نام ہی استاذ کا ہے، ایک اچھی عمارت کے بغیر اچھی تعلیم ممکن ہے اسی طرح اچھی کتاب اور اچھے نصاب کے بغیر بھی اچھی تعلیم ممکن ہو سکتی ہے مگر ایک اچھے استاذ کے بغیر اچھی تعلیم قطعی

ناممکن ہے، چنانچہ ایک برا استاذ ایک اچھی کتاب سے اچھے نتائج کبھی پیدا نہیں کر سکتا، مگر ایک اچھا استاذ خراب نصاب اور بری کتاب سے بھی اچھے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یوں استاذ کو نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم میں کلیدی کردار حاصل ہے، معلم و مدرس یا استاذ تعلیم کے میدان میں وہی مرتبہ اور مقام رکھتا ہے جو روح کو جسم میں اور انبیائے کرام کو اصلاحِ انسانیت کے کام میں نصیب ہوا ہے، تعلیمِ انسانیت دراصل انبیائے کرام کا کام ہے جو استاذ کو ورثے میں ملا ہے۔ بلکہ یہ مرتبہ و مقام تو وہ ہے جو اپنے اندر رحمتِ الٰہیہ کا عکس اور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کردار کی رونق کا حامل بھی ہے۔ **وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا** (اور اللہ تعالیٰ نے تمام نام آدم علیہ السلام کو سکھلا دئے) کی رُو سے اللہ جل شانہ آدم علیہ السلام کو تعلیم دینے والے ہوئے اور بلاشبہ اللہ جل شانہ اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کو تعلیم و ہدایت عطا فرمانے والے ہیں۔ ہمارے سید و مولا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو صاف لفظوں میں اپنی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا کہ: **اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا** (مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے) عرض صرف یہ کرنا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں استاذ کا مرتبہ واحترام معاشرے کے تمام انسانوں سے بلند و برتر ہے۔ اسلامی تعلیم کی تاریخ میں ہمیشہ استاذ کے اس مقام و احترام کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور اسی روش نے امت میں ایسے ایسے بلند مرتبہ اساتذہ کرام کو وجود عطا کیا ہے جن کے احترام کے لیے آج بھی گردنیں جھکتی اور سرنگوں ہو جاتے ہیں، امت مسلم نے استاذ کو وہی مرتبہ دیا ہے جو کوئی نیک اولاد اپنے والد گرامی کو دے سکتی ہے۔ خلفاء، بادشاہوں اور حاکموں کی اولاد اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کرنے میں فخر محسوس کرتی رہی ہے، مصر کے عظیم و جلیل قومی شاعر احمد شوقی نے اسی لئے یہ تلقین کر کے بات ہی ختم کر دی ہے کہ:

قم للمعلم ووفّه تبجیلا — کادالمعلم ان یکون رسولا!

یعنی اٹھو اپنے استاذ کے لیے اور اسے پورا پورا احترام دو کیونکہ استاذ تو رسول کے

مرتبے کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے۔

اسلام میں استاذ کے اس احترام اور نظامِ تعلیم میں معلم کے اس کردار کے پیشِ نظر مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سعدی و اقبال کا قلندرانہ مقام رکھنے والے شاعر بے مثل اور عالم بے بدل حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیمی نظریات ہمیں عطا فرمائے ہیں ان میں احترام استاذ کو تمام باتوں پر فوقیت حاصل ہے اور اسی پہلو پر سب سے زیادہ توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت نہ صرف یہ کہ فاضل بریلوی کے علم و فضل اور جدید و قدیم فکر کی رہنمائی کے لیے ان کی طبع فیاض پر شاہد عدل ہیں بلکہ اسلامی علوم کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جو ہر موضوع کے متعلق تسلی بخش اور مفید معلومات مہیا کرتا ہے، اگر ان فتاویٰ کی شناوری و غواصی کا شرف حاصل ہو جائے تو بے شمار اور بے بہا گوہر ہائے گراں مایہ میسر آتے ہیں، ان کے تعلیمی افکار پر بھی ایک وسیع و مفید کام ہو سکتا ہے، احترامِ استاذ کے حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے:

''امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجهه الکریم می آرند که فرمود من علّمنی حرفًا فقد صیّرنی عبدا ان شاء باع و ان شاء اعتق هر که مرا حرفے آموخت پس به تحقیق مرا بندهٔ خود ساخت، اگر خواهد فروشد و اگر خواهد آزاد کند!''

سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمانا کہ انسان کو اگر کوئی ایک حرف بھی سکھلاتا ہے تو وہ اسے گویا اپنا غلام بنالیتا ہے ــــ دراصل معلم و مدرّس کے مقام بلند و برتر کی حقیقت کو عیاں کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی روح سے استاذ کو نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں جو ابتری نظر آتی ہے وہ اسی حقیقت کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہے، استاذ کو جب تک اس کا کھویا ہوا مقام میسر نہیں آتا جو اسلامی تاریخ کے زریں ادوار علم و فضل کا طرۂ امتیاز تھا، اس

وقت تک ہمیں وہ مرتبہ و مقام نصیب نہیں ہوسکتا جو مسلمان قوم کی شان تھی اور جو آج کے دور میں زندہ اقوام کی شان ہے، ہمارے دورِ زوال اور عہدِ غلامی نے ہماری اس روایت کو ہمارے کردار سے اس طرح محو کر دیا ہے جس طرح کوئی روشنائی مٹانے والی دوا سے حرف غلط کو محو کر دیتا ہے۔ ہمارا مستقبل اسی وقت محفوظ و مصؤن اور روشن و تاباں ہوسکتا ہے جب ہم اپنی اس روایت کو ایک دفعہ پھر اسی طرح زندہ کر دیں جس طرح کبھی وہ مدینہ و دمشق، (کوفہ و قاھرہ) بغداد و قرطبہ اور دلی و لاہور میں زندہ تابندہ تھی، ہمیں اپنے استاذ کو وہی احترام دینا ہے جو اسے ہمارے دینِ متین، ہمارے اسلاف اور ہماری شاندار تاریخ نے عطا کیا ہے، استاذ ہی قومیں بناتے اور تعمیر و ترقی کے بامِ عروج تک پہنچاتے ہیں۔ یہی کچھ ہمیں فتاویٰ رضویہ اور حضرت امام (احمد رضا) کی دیگر تصانیف سے میسر آتا ہے، حضرت ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"ناسپاسیٔ استاذ کہ بلائیے است ہائل و دائیے است قاتل، و برکات علم را مُزِیل و مُبطِل، العیاذ باللہ!"

استاذ کی ناشکری ایک ہولناک آفت ہے ایک مہلک بیماری ہے اور برکات علم کو زائل و باطل بنا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔"

احسان مندی و شکر گزاری ایک نعمت ہے جبکہ ناشکری و احسان فراموشی ایک لعنت ہے، مگر جب یہ استاذ کے حوالے سے ہو تو پھر تو اس کے وبال اور بربادی کی کوئی حد ہی نہیں ہے، افراد و اقوام اپنے بنانے والوں کو اگر بھول جائیں تو گم ہو جاتی ہیں، بالکل جیسے بے رنگ کا کوئی مالک اور اتہ پتہ نہیں ہوتا اسی طرح ان کی منزل بھی گم ہو جاتی ہے اور وہ راستوں کی خاک میں ہی نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔

ایک اور مقام پر ایک حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اپنے استاذ بلکہ شاگردوں کے لیے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے:
''تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تُعَلِّمُوْنَهٗ وَلَا تَكُوْنُوْا جَبَابِرَةَ الْعُلَمَاءِ '' کہ جس سے علم سیکھو اس سے بھی تواضع سے پیش آؤ اور جسے سکھلاتے ہو اس کے لیے بھی تواضع سے کام لو اور سرکش عالم مت بنو!''

استاذ وہ انجینئر ہے جو انسان سازی کرتا ہے، انسانوں کی سیرت سازی کرتا ہے اور اپنے شاگردوں کے لیے تعمیر شخصیت کا کردار ادا کرتا ہے، اس لیے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ جس انسان ساز کو ہم اپنا لخت جگر سیرت سازی کے لیے پیش کر رہے ہیں وہ کس صلاحیت کا مالک ہے؟ اور جس نے ہمارے بچوں کی تعمیر شخصیت کا فریضہ بہترین انداز میں انجام دیا ہے اس کے مرتبہ اور احترام کو ہر حال میں پیش نظر رکھیں، یہی ہے نشان زندہ قوموں کا اور اسی نے ہماری ہستی ہماری زندگی اور ہمارے عملی کردار کی تشکیل کرنا ہے!

(بشکریہ ماہنامہ نوائے اساتذہ، لاہور/فیصل آباد۔ شمارہ ستمبر اکتوبر ۲۰۰۳ء)

جناب طارق سلطانپوری
کی تخریج کردہ تاریخیں

۷۸۶
۹۲

کتابِ مُستطاب ''سدا بہار خوشبوئیں'' (ترجمہ)
مُصنّف: شیخ محمد صالح فرفور، دمشق
مُترجم: حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، لاہور

صفحات: ۲۶۶
بہ الفاظ بحساب ابجد
''مہک چمنِ حق''
''واہ حسین گل ہائے اَدب ومَجد''

تعداد: ۵۰۰
بہ الفاظ بحساب ابجد
''محموُ دگلز ارِاہلِ حق''

سال اشاعت: ۱۴۲۴ھ
بہ الفاظ بحساب ابجد
''زیبِ بزم مدینہ، سدا بہار خوشبوئیں''
''حدائقِ تصوّف وطریقت''

سالِ اشاعت: ۲۰۰۳ء
بہ الفاظ بحساب ابجد
''جاوداں فیض خیرُ الوَ را''
''زیبا باغِ شریعت''

قطعۂ تاریخ (سالِ اشاعت)

اک سجایا چمن حکمت و علم کا
کام ہے یہ شرف قادری کا بڑا
آشنا ہم کو فکرِ عرب ہے کیا
کیا خزانہ ہے جو ہم سے پوشیدہ تھا
اِس بہیں کنزِ مخفی کے اظہار کا
سال ہے ''جاوداں فیضِ خیر الورا''
۲۰۰۳ء

ہدیہ اخلاص منجانب
ناچیز! طارق سلطانپوری، حسن ابدال

کتابِ مُستطاب ''**ولولہ انگیز خُوشبوئیں**'' (ترجمہ)

مصنّف: حضرت شیخ محمد صالح فرفور (دمشق)

مترجم: حضرت علامہ محمدّ عبد الحکیم شرف قادری زید مجدہٗ

سال اشاعت: ۲۰۰۴ء

۱۴۲۵ھ:

''طِیبِ باغِ شریعت''

۲۰۰۴ء

''نقشِ یُمنِ عرفان وحکمت''

۱۴۲۵ھ

●

قادری جس کا مُبارک نام ہے عبدُ الحکیم
آج اپنی ذات میں اک انجمن ہے واقعی
وہ جہانِ خامہ و قرطاس میں ہے نام ور
اُس کی عِلم وفکر کی دُنیامیں شہرت ہے بڑی
مَعدنِ فہم و فراست ، معرفت کی کان کا
ایک ہیرا جس کی آرائش یدِ قُدرت نے کی
وہ حدیثِ مُصطفیٰ کا بھی ہے عالِم مُعتَبر
وہ مُعلّم اور قاسم حکمت قرآں کا بھی
بزم عالم میں وہ اک عرصہ سے بااخلاصِ تام
عِلم کی ، تحقیق کی ، پھیلا رہا ہے روشنی
اُس نے خوشبوئیں بکھیری ہیں بہ حُسنِ اہتمام
عِشق کی صدق و صفا کی فقر کی عِرفان کی
ایسی خُوشبوئیں، خزاں نا آشنا جن کی بہار
ولولہ انگیز و جذبہ خیز ہیں جو دائمی

●

تازہ شہکارِ قلم ہے قادریؔ کا، یہ کتاب
مستحقِ تحسین کی بے شک ہے اِس کی دل کشی
حضرت فرفورصالح وَرْدِ[1] باغِ غوث پاک
اُن کے افکار و معارف کی ہے یہ صُورت گری
اَصل کا جس پر گماں ہوتا ہے ایسا ترجمہ
دل رُبا وہ نثر، جس پر شیفتہ ہے شاعری

●

اُن کی ہے دُنیائے علم و معرفت احسان مند
اُن کا ممنون عنایت ہے جہانِ آگہی
اِس کتابِ حکمت و عرفان کی تاریخِ طبع
مَیں نے طارق "مَظہرِ اَوصافِ اہلُ اللہ" کہی

۱۴۲۵ھ

طارق سلطانپوریؔ ۲۵۔۲۔۲۰۰۴

---

(۱) وَرد: گلاب کا پھول

مکتبہ قادریہ لاہور





